کوئٹہ، گوادر، حب، اسلام آباد، کراچی اور پشاور سے بیک وقت شائع ہونیوالا اردو روزنامہ
باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت A.B.C Certified بلوچستان کا کثیر الاشاعت اخبار
Daily ASKAR INTERNATIONAL QUETTA
MEMBER A.P.N.S
روزنامہ
عسکر انٹرنیشنل کوئٹہ
چیف ایڈیٹر: سید فاروق شاہ
رجسٹرڈ نمبر BC-A-21
جلد نمبر 22 | بروز جمعہ 3 اکتوبر 2025ء / 9 ربیع الثانی 1447ھ / قیمت 15 روپے | شمارہ نمبر 354

غزہ فلوٹیلا میں پاکستانیوں کی باوقار شرکت کو سراہتا ہوں، مشتاق احمد خان، مظہر سعید، وہاج احمد، اسامہ ریاض، اسماعیل خان، عزیز نظامی، فہد اشتیاق و دیگر پاکستانیوں نے امدادی مشن میں حصہ لیا

گلوبل صمود فلوٹیلا پر اسرائیلی حملہ قابل مذمت، امداد ہر صورت پہنچنی چاہیے: وزیراعظم

پاکستانیوں کی سلامتی، وقار اور جلد وطن واپسی کیلیے دعا گو اور کوشاں ہیں انسانی حقوق کارکنوں کا "جرم" صرف یہ تھا کہ وہ غزہ کے مظلوم فلسطینی عوام کیلئے امداد لے کر جا رہے تھے

فلوٹیلا میں 44 ممالک سے تعلق رکھنے والے 450 سے زائد انسانی ہمدرد کارکن شامل تھے، جن کا مقصد صرف بے بس فلسطینی عوام کیلئے امداد پہنچانا تھا

اسلام آباد (سی ایم لنکس) وزیراعظم شہباز شریف نے گلوبل صمود فلوٹیلا میں اسرائیل کے ہاتھوں گرفتار پاکستانیوں کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ وزیراعظم شہباز شریف نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر بیان جاری کیا جس میں انہوں نے کہا کہ غزہ فلوٹیلا میں پاکستانیوں کی باوقار شرکت کو سراہتا ہوں، مشتاق احمد خان، مظہر سعید، وہاج احمد، اسامہ ریاض، اسماعیل خان، عزیز نظامی، فہد اشتیاق و دیگر پاکستانیوں نے امدادی مشن میں حصہ لیا۔ شہباز شریف نے کہا کہ یہ اقدام پاکستانیوں کی (باقی صفحہ 2 نمبر 1)

تحریک تحفظ آئین پاکستان غزہ و کشمیر کے عوام کے ساتھ کھڑی ہے، سلمان اکرام

امریکی صدر کے 20 نکاتی منصوبے میں امن کی کوئی بات نہیں، مصطفیٰ نواز کھوکھر

اسلام آباد (جی این ایم) تحریک تحفظ آئین پاکستان و پی ٹی آئی رہنما سلمان (باقی صفحہ 2 نمبر 4)

غزہ فلوٹیلا پر حملہ، ترکی نے اسرائیل کے خلاف قانونی جنگ شروع کر دی

استنبول (سی ایم لنکس) ترک شہریوں کی گرفتاری کے بعد استنبول کے چیف (باقی صفحہ 2 نمبر 3)

مخصوص نشستیں کیس، فریق بنے بغیر پی ٹی آئی کو ریلیف ملا جو برقرار نہیں رہ سکتا، سپریم کورٹ

پی ٹی آئی چاہتی تو فریق بن سکتی تھی، سپریم کورٹ نے کبھی حکم نہیں دیا کہ پی ٹی آئی الیکشن نہیں لڑ سکتی، 47 صفحات کا تحریری فیصلہ جاری

اسلام آباد (جی این ایم) سپریم کورٹ نے مخصوص نشستوں کے کیس کا (باقی صفحہ 2 نمبر 2)

سیلاب سے نقصانات کیلیے فی الحال عالمی امداد نہ لینے کا فیصلہ کیا ہے، محمد اورنگزیب

سیلاب کے دوران عالمی امداد کے لیے نہیں جائیں گے، کوشش ہے کہ پہلے سیلاب متاثرہ علاقوں میں اپنے زور بازو معاملات ٹھیک کریں

وسائل پر درست انداز میں کام کیا تو عالمی بینک کے مطابق 2047 تک 36 ٹریلین کی معیشت بن سکتے ہیں، وفاقی وزیر خزانہ

پشاور (اے این این) وفاقی وزیر خزانہ محمد اورنگزیب کا کہنا ہے کہ سیلاب کے نقصانات سے متعلق فیصلہ کیا ہے کہ فوراً امداد نہیں مانگیں گے، کوشش ہے کہ پہلے سیلاب متاثرہ علاقوں میں اپنے زور بازو معاملات ٹھیک کریں۔ پشاور میں پاکستان بزنس سمٹ سے خطاب کرتے ہوئے وفاقی وزیر خزانہ نے کہا کہ اس وقت سیلاب کے دوران عالمی امداد کے لیے نہیں جائیں گے، جب مکمل نقصانات کا اندازہ ہو تب عالمی برادری (باقی صفحہ 2 نمبر 6)

اسلام آباد، وفاقی وزیر خزانہ سینیٹر محمد اورنگزیب منعقدہ اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

جماعت اسلامی کا غزہ صمود فلوٹیلا پر حملے کیخلاف کل بھرپور ملک گیر احتجاج کا اعلان

مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی دہشتگردی نے دنیا کے امن کو تباہ کر دیا، اسرائیل کو انسانوں کو قتل کرنے اور بمباری قحط کا لائسنس ملا ہوا ہے

ڈونلڈ ٹرمپ کے امن منصوبہ کے بنیادی فریق فلسطینیوں کو درمیان میں رکھا ہی نہیں گیا، حافظ نعیم الرحمان کی پریس کانفرنس

لاہور (جی این ایم) جماعت اسلامی نے غزہ صمود فلوٹیلا پر حملے کے خلاف آج جمعہ کو ملک بھر میں بھرپور احتجاج کا اعلان کر دیا، صیہونی درندگی کے خلاف 4 اکتوبر کو لاہور میں مارچ ہوگا۔ لاہور میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے امیر جماعت اسلامی حافظ نعیم الرحمان نے الزام عائد کیا کہ امن معاہدے میں صرف اسرائیل کو تحفظ فراہم کیا گیا، مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی دہشتگردی نے دنیا کے امن کو تباہ کر دیا، اسرائیل کو انسانوں (باقی صفحہ 2 نمبر 5)

کوئٹہ، وزیراعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی محکمہ زکواۃ و اوقاف کی تنظیم نو سے متعلق اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

گلوبل صمود فلوٹیلا
پر اسرائیلی حملہ، جہازوں پر قبضہ، سابق سینیٹر مشتاق سمیت 200 سے زائد ارکان گرفتار کر لیے

فلوٹیلا کو گھیرے میں لیکر اسرائیلی کمانڈوز نے اچانک دھاوا بولتے ہوئے 13 کشتیوں کو تحویل میں لے لیا اور ان پر موجود 200 کے قریب سرگرم کارکنوں کو حراست میں لے کر اسرائیلی بندرگاہ منتقل کر دیا

پاکستان سمیت دنیا بھر کے مختلف ممالک کی طرف سے حملے کی شدید مذمت، کولمبیا نے اسرائیلی سفارتکاروں کو ملک بدر کر دیا اسرائیلی کارروائیوں کیخلاف دنیا بھر میں احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے

دوحہ، غزہ، مقبوضہ بیت المقدس، انقرہ، برلن، بگوٹا (جی این ایم) اسرائیلی فوج نے غزہ امداد لے جانے والے گلوبل صمود فلوٹیلا پر حملہ کر کے سویڈن کی ماحولیاتی کارکن گریٹا تھنبرگ، پاکستان سے تعلق رکھنے والے سابق سینیٹر مشتاق احمد سمیت 200 افراد کو گرفتار کر لیا، قافلے کے گرفتار ارکان نے اسرائیلی فوج کی جانب سے فراہم کردہ کھانا قبول کرنے سے انکار کر دیا، اسرائیلی کارروائیوں کیخلاف دنیا بھر میں سخت ردعمل سامنے آیا ہے، مختلف ممالک میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے ہیں، کولمبیا کے صدر نے اسرائیلی سفارتی عملے کو ملک بدر کرنے کے ساتھ ساتھ "آزاد تجارتی معاہدہ ختم" (باقی صفحہ 2 نمبر 8)

غزہ امن منصوبے پر حساس سطح کی بات چیت جاری ہے، وائٹ ہاؤس

خاموش سفارتکاری جاری ہے، جلد بازی ممکن نہیں، پریس سیکرٹری کیرولین لیویٹ

واشنگٹن (جی این ایم) وائٹ ہاؤس کی پریس سیکرٹری کیرولین لیویٹ نے کہا ہے کہ غزہ امن منصوبے پر حساس سطح کی بات چیت جاری ہے جبکہ حماس کے ساتھ مذاکراتی امکانات پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔ وائٹ ہاؤس کی پریس سیکرٹری کیرولین لیویٹ نے نیوز بریفنگ میں (باقی صفحہ 2 نمبر 9)

قبلہ اول القدس کا دفاع آخری دم تک کرتے رہیں گے، ترک صدر

غزہ میں امن کی ذمہ داری پہلے عالم اسلام پھر عالمی برادری پر عائد ہوتی ہے، طیب اردوان

انقرہ (یو این اے) ترک صدر رجب طیب اردوان نے کہا ہے کہ قبلہ اول (باقی صفحہ 2 نمبر 34)

وفاقی مذاکراتی کمیٹی مظفرآباد پہنچ گئی، عوام کے جائز مطالبات سننے اور حل کرنے کا عزم

مظفرآباد، اسلام آباد (یو این اے) وفاقی حکومت کی مذاکراتی کمیٹی مظفرآباد پہنچ گئی، کشمیری عوام کے مطالبات سننے اور حل کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ وفاقی حکومت نے آزاد کشمیر کی کشیدہ صورت حال پر اعلیٰ سطح کی کمیٹی تشکیل دی ہے جس میں سینیٹر رانا ثنا اللہ، وفاقی وزرا سردار یوسف، احسن اقبال، طارق فضل چوہدری، انجینئر امیر مقام (باقی صفحہ 2 نمبر 32)

اسحاق ڈار سے جرمن سفیر انا لیپل کی ملاقات، دوطرفہ تعاون کو فروغ دینے پر اتفاق

ماحولیاتی تبدیلی، ہنرمند افرادی قوت کی منتقلی اور دفاعی تعاون کو وسعت دینے کی خواہش کا بھی اظہار

اسلام آباد (جی این ایم) نائب وزیراعظم و وزیر خارجہ اسحاق ڈار سے جرمنی کی نو تعینات سفیر محترمہ انا لیپل نے دفتر خارجہ میں ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران دوطرفہ تعلقات، تجارتی و تعلیمی تعاون سمیت متعدد شعبوں میں باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ ترجمان (باقی صفحہ 2 نمبر 11)

قومی اسمبلی کا اجلاس دو روز کے وقفے کے بعد جمعہ کو دوبارہ ہوگا

اسلام آباد (یو این اے) قومی اسمبلی کا اجلاس دو روز کے وقفے کے بعد جمعہ کو دوبارہ ہوگا۔ اجلاس اسپیکر قومی اسمبلی سردار ایاز صادق کی زیر صدارت ہوگا، جس میں معمول کا ایجنڈا نمٹایا جائے گا۔ منگل کو قومی اسمبلی کا اجلاس آغاز پر ہی پیپلز پارٹی کے واک آؤٹ کے بعد اسپیکر سردار ایاز صادق نے بغیر ایجنڈا نمٹائے جمعہ تک ملتوی کر دیا تھا۔

پی ٹی آئی نے 2014 میں بھی استعفے دیئے تھے وہ بھی منظور نہیں کیے تھے، ایاز صادق

یہ پہلے بھی پارلیمنٹ میں واپس آ گئے تھے، امید ہے اب بھی قائمہ کمیٹیوں میں آ جائیں گے، گفتگو

اسلام آباد (جی این ایم) اسپیکر قومی اسمبلی ایاز صادق نے کہا ہے کہ پی ٹی آئی (باقی صفحہ 2 نمبر 7)

پاکستانی جوانوں کے لئے روس میں شاندار مواقع موجود ہیں، روسی سفیر

روسی زبان کا سیکھنا تعلیمی ترقی، روزگار اور کیریئر کے بے شمار نئے دروازے کھولتا ہے، تقریب سے خطاب

اسلام آباد (یو این اے) پاکستان میں تعینات روس کے سفیر البرٹ خوریف (باقی صفحہ 2 نمبر 33)

آزاد کشمیر، احتجاج کی آڑ میں پرتشدد کارروائیاں، شرپسند عناصر بے قابو

پولیس اہلکاروں پر حملے، چکسواری کے علاقے پلاک میں اہلکاروں پر مظاہرین نے دھاوا بول دیا

مظفرآباد/میرپور (جی این ایم) آزاد کشمیر میں جاری عوامی ایکشن کمیٹی کے احتجاج نے تشویشناک رخ اختیار کر لیا ہے، جہاں مظاہرین میں شامل بعض شرپسند عناصر نے قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں پر حملے، اسلحہ چھیننے، فائرنگ اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے جیسے سنگین (باقی صفحہ 2 نمبر 12)

پاکستان، سعودی عرب دفاعی معاہدہ خوش آئند، معاہدے کو مثبت نظر سے دیکھتے ہیں، شازیہ مری

پارٹی کو امید ہے وزیراعظم وطن واپسی پر چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کو معاہدے سے متعلق اعتماد میں لیں گے، بیان

اسلام آباد (اے این این) پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی سیکرٹری اطلاعات (باقی صفحہ 2 نمبر 10)

ایم کیو ایم کے تحفظات، وفاق کا کراچی ترقیاتی پیکیج پر جلد عملدرآمد کا فیصلہ

اسلام آباد (یو این اے) ایم کیو ایم کے تحفظات پر وفاقی حکومت نے کراچی ترقیاتی پیکیج پر جلد عملدرآمد کا فیصلہ کر لیا۔ ایم کیو ایم کے وفد نے وفاقی وزیر احسن اقبال سے ملاقات کی، کراچی میں ترقیاتی کاموں میں تاخیر پر اپنے تحفظات سے آگاہ کیا، متحدہ وفد نے اعتراض کیا کہ کراچی کے ترقیاتی کاموں میں رکاوٹ ڈالی جا رہی ہے۔ ایم کیو ایم کا وفد وزیراعظم سے وطن واپسی پر (باقی صفحہ 2 نمبر 31)

عمانی سفیر کی وفاقی وزیر تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت ڈاکٹر خالد مقبول صدیقی سے ملاقات

اسلام آباد (سی ایم لنکس) سلطنت عمان کے سفیر فہد خلف الخروصی نے آج اسلام آباد میں وفاقی وزیر برائے تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت ڈاکٹر خالد مقبول صدیقی سے ملاقات کی۔ ملاقات میں دونوں فریقین نے تعلیم کے شعبے میں تعاون کو مزید فروغ دینے کے عزم کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر خالد مقبول صدیقی نے اس موقع پر کہا کہ پاکستان اور عمان کے تعلقات تاریخی بنیادوں پر قائم ہیں (باقی صفحہ 2 نمبر 14)

فلوٹیلا پر حملہ اسرائیلی ظلم کی نئی داستان ہے، شیری رحمان

پُرامن امدادی مشن کے کارکنوں کی گرفتاری انسانی وقار کے منافی ہے، بیان

اسلام آباد (جی این ایم) پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کی نائب صدر سینیٹر شیری رحمان نے غزہ کے لیے امدادی قافلے گلوبل صمود فلوٹیلا پر اسرائیلی حملے کی شدید مذمت کی ہے۔ سینیٹر شیری رحمان نے کہا ہے کہ فلوٹیلا پر حملہ عالمی انسانی اصولوں کی صریح خلاف ورزی ہے (باقی صفحہ 2 نمبر 13)

پشاور، قائمقام صدر سید یوسف رضا گیلانی میڈیا سے بات چیت کر رہے ہیں، گورنر خیبر پختونخوا بھی ہمراہ ہیں

اسلام آباد، سول سوسائٹی کی جانب سے اسرائیل کیخلاف گلوبل صمود فلوٹیلا پر حملے کیخلاف احتجاج کیا جا رہا ہے

مستقبل تابناک، جنگ نہیں معاشی ترقی کا سوچنا ہوگا، آصف زرداری

سی پیک بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو کا فلیف شپ منصوبہ ہے، پاکستان کی بندرگاہیں چین کیلئے قریب ترین بندرگاہوں میں سے ہیں

چین اب بدل چکا، ترقی کا حق سب کا ہے، چین کے ساتھ ہمارا تعاون اب خلا تک پہنچ چکا ہے، صدر مملکت کی چینی ٹی وی کو انٹرویو

بیجنگ (جی این ایم) صدر مملکت آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ چین اب بدل چکا ہے، ملک کا مستقبل تابناک ہے، جنگوں نہیں معاشی ترقی کا سوچنا ہوگا، سب کو ایک دوسری کی خودمختاری کا احترام کرنا ہوگا۔ چینی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر مملکت آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ سب کو ایک دوسرے کی خودمختاری کا احترام کرنا ہوگا، 16 سے 17 مرتبہ چین کا دورہ کر چکا ہوں، ہر بار اپنائیت ملتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ چین کی معیشت مضبوط ہوئی، عوام خوشحال اور مطمئن ہیں، چین کے میرے دورے ہمیشہ خیرسگالی کے لیے ہوتے ہیں، چین کا مستقبل تابناک ہے، پورا مشرق اس کے ساتھ مل کر کام کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ جنگوں کا نہیں معاشی ترقی کا سوچنا ہوگا، پُرامن بقائے باہمی پر یقین رکھتے ہیں، ترقی کا حق سب کا ہے، چین کے ساتھ ہمارا تعاون اب خلا تک (باقی صفحہ 2 نمبر 17)

بانی پی ٹی آئی کو اڈیالہ سے اسلام آباد جیل منتقل کیا جائے گا، طارق فضل

علیمہ خان کو اسٹیبلشمنٹ کی کس قسم کی پشت پناہی حاصل ہے مجھے کوئی علم نہیں، وفاقی وزیر کی گفتگو

اسلام آباد (جی این ایم) وفاقی وزیر طارق فضل چوہدری نے کہا ہے کہ بانی پی ٹی آئی کو اڈیالہ سے اسلام آباد جیل منتقل کیا جائے گا، ہٹوانے کیلئے پی ٹی آئی ارکان سے استعفے دلوائے گئے، پی ٹی آئی ارکان سے جنید اکبر کی چیئرمین شپ ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ جنید اکبر کو پی اے سی سے (باقی صفحہ 2 نمبر 30)

وفاقی وزیر صحت مصطفیٰ کمال سے اومان کے سفیر فہد خلف الخروصی کی ملاقات

صحت کے شعبے سمیت دوطرفہ تعاون اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا

اسلام آباد (یو این اے) وفاقی وزیر برائے صحت مصطفیٰ کمال سے اومان کے سفیر فہد خلف الخروصی نے ملاقات کی اور صحت کے شعبے سمیت دوطرفہ تعاون اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا۔ وزارت صحت سے جاری بیان کے مطابق وزیر صحت مصطفیٰ کمال نے (باقی صفحہ 2 نمبر 15)

برطانیہ کی یہودی عبادت گاہ پر حملے میں 2 افراد ہلاک اور 3 شدید زخمی

برطانیہ میں یہودیوں کے مذہبی دن پر ان کی عبادت گاہ پر چاقو بردار شخص نے حملہ کر دیا

لندن (جی این ایم) عالمی خبر رساں ادارے کے مطابق مانچسٹر کی یہودی عبادت گاہ پر یہ حملہ یوم کفارہ کی صبح کیا گیا جب یہودی اپنا مذہبی دن منانے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ کار سوار حملہ آور نے سیکیورٹی چیک پوسٹ سے زبردستی گھسنے کی کوشش میں عبادت گاہ (باقی صفحہ 2 نمبر 16)

اسرائیل کو تسلیم کرنے سے متعلق کوئی بات نہیں ہو رہی، چوہدری سالک

وفاقی وزیر اوورسیز کا تمام ممالک سے اسرائیل کے بائیکاٹ کا مطالبہ

اسلام آباد (جی این ایم) وفاقی وزیر برائے اوورسیز پاکستانی چوہدری سالک حسین نے صحافیوں سے گفتگو کے دوران کہا کہ گلوبل فلوٹیلا کے ممبرز کو گرفتار کرنے پر تمام ممالک کو اسرائیل کا بائیکاٹ سالک حسین نے تمام ممالک سے اسرائیل کا بائیکاٹ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ چوہدری (باقی صفحہ 2 نمبر 29)

اسرائیل بارے کوئی فیصلہ نہیں کیا، وزیراعظم پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیں گے، گیلانی

اختلاف رائے جمہوریت ہے، آئین کے مطابق کام کریں گے، ہم اتحادی ملکوں کے ساتھ مل کر چل رہے ہیں

خارجہ پالیسی وفاقی حکومت کا اختیار ہے، وفاق نے طے کرنا ہے کہ ملک کی کیا پالیسی ہونی چاہیے، قائم مقام صدر کی پریس کانفرنس

پشاور (جی این ایم) قائم مقام صدر مملکت سید یوسف رضا گیلانی نے کہا ہے کہ ہم نے اسرائیل کے حوالے سے کوئی فیصلہ نہیں کیا، ہم اتحادی ملکوں کے ساتھ مل کر چل رہے ہیں، وزیر خارجہ پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیں گے، خارجہ پالیسی وفاقی حکومت کا اختیار ہے، وفاق نے طے کرنا ہے کہ ملک کی کیا پالیسی ہونی چاہیے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے گورنر ہاؤس پشاور میں گورنر خیبر پختونخوا فیصل کریم کنڈی کے ہمراہ پریس کانفرنس (باقی صفحہ 2 نمبر 18)

اسلام آباد، وزیر داخلہ محسن نقوی ہسپتال میں زیر علاج آزاد کشمیر کے زخمی پولیس اہلکاروں کی عیادت کر رہے ہیں

سپر ٹیکس کا مطلب ہی اضافی ٹیکس ہے، واضح کرنے کی کیا ضرورت، سپریم کورٹ

انکم ٹیکس کی شق 99 ڈی میں ترمیم پر باقی ہائی کورٹس سے فیصلہ ہو چکا ہے؟ جسٹس جمال مندوخیل کا استفسار

اچھے ہوں، برے ہوں یا چور ہوں لیکن معیشت کا پہیہ ان سے ہی چل رہا ہے، وکیل فروغ نسیم کا موقف

اسلام آباد (یو این اے) سپریم کورٹ کے آئینی بنچ نے سپر ٹیکس کی سماعت کے دوران ریمارکس دیے کہ سپر ٹیکس کا مطلب ہی اضافی ٹیکس ہے، اس کو اور کیا واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ جسٹس امین الدین خان کی سربراہی میں پانچ رکنی آئینی بنچ نے کیس کی سماعت کی۔ مختلف ٹیکس پیئر کمپنیوں کے وکیل فروغ نسیم نے وقفے کے بعد دلائل دیے۔ سماعت کے آغاز پر جسٹس جمال مندوخیل نے استفسار کیا کہ انکم ٹیکس کی شق 99 ڈی میں ترمیم (باقی صفحہ 2 نمبر 28)

بھاگ شہر میں ایل پی جی 350 روپے فی کلو فروخت، سرکاری نرخنامہ ہوا میں اڑا دیا گیا

ڈپٹی کمشنر کچھی اور اسسٹنٹ کمشنر بھاگ فوری نوٹس لے کر عوام کو ریلیف فراہم کریں، شہریوں کا مطالبہ

بھاگ (یو این اے) بھاگ شہر میں ایل پی جی کی قیمتوں میں کمی کے باوجود عمل درآمد نہ ہو سکا، سرکاری نرخ 207 روپے 48 پیسے فی کلو مقرر ہونے کے باوجود مقامی دکاندار 350 روپے فی کلو کے حساب سے فروخت کر رہے ہیں۔ شہریوں نے اسے ظلم کی انتہا (باقی صفحہ 2 نمبر 27)

زیارت، ہرنائی اور زرغون غر کے 40 گھرانوں کی مسلم لیگ ن میں شمولیت

عوامی اعتماد ہی اصل طاقت ہے، بلوچستان کی ترقی و خوشحالی مسلم لیگ ن کا مشن ہے، نور محمد دمڑ

کوئٹہ (یو این اے) زیارت، ہرنائی اور زرغون غر کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے 40 گھرانوں کے افراد نے صوبائی وزیر خوراک حاجی نور محمد دمڑ کے کاروان میں شمولیت اختیار کر لی۔ یہ شمولیتی تقریب سول سیکرٹریٹ کوئٹہ میں منعقد ہوئی، جس میں عادل کاکڑ کی (باقی صفحہ 2 نمبر 21)

صوبے میں صحت کے شعبے کی بہتری ترجیحات میں شامل ہے، وزیر صحت بلوچستان

موجودہ حکومت عوام کو بنیادی طبی سہولیات ان کی دہلیز پر فراہم کرنے کے لیے عملی اقدامات کر رہی ہے، بخت محمد کاکڑ

کوئٹہ (اے این این) وزیر صحت بلوچستان بخت محمد کاکڑ نے کہا ہے کہ صوبے میں صحت کے شعبے کی بہتری حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل ہے، اور موجودہ حکومت عوام کو بنیادی طبی سہولیات ان کی دہلیز پر فراہم کرنے کے لیے عملی اقدامات کر رہی ہے، یہ بات انہوں نے (باقی صفحہ 2 نمبر 20)

ترکمانستان کے توانائی منصوبے پاکستان کیلئے اسٹریٹجک اہمیت رکھتے ہیں، ڈاکٹر نیکیتا الیریٹسکی

TAPI پائپ لائن پاکستان کی توانائی ضروریات پوری کرنے کا پائیدار ذریعہ بن سکتی ہے، روسی محقق کا مؤقف

اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) انسٹیٹیوٹ آف ریجنل اسٹڈیز (IRS) اسلام آباد میں بدھ کے روز "ترکمانستان کا علاقائی توانائی راہداریوں پر نقطہ نظر: TAPI اور اس سے آگے" کے عنوان سے ایک اہم لیکچر کا انعقاد کیا گیا۔ یہ لیکچر IRS کی ایمنٹ اسپیکر سیریز کا حصہ تھا جس (باقی صفحہ 2 نمبر 19)

کوئٹہ، وزیراعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی اور صوبائی وزراء اعلیٰ حکام بلوچستان حکومت اور ہالے ہیلتھ کیئر سروسز کے مابین ہونے والے معاہدے پر دستخط کی تقریب میں شریک ہیں

اوتھل، مسافر کوچ اور ٹرک میں خوفناک تصادم، 6 جاں بحق 17 زخمی

نعشوں و زخمیوں کو ایمبولینسز کے ذریعے ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال اوتھل منتقل کیا گیا، جہاں شدید زخمیوں کو ابتدائی طبی امداد کے بعد کراچی ریفر کر دیا گیا

جاں بحق افراد میں عظیمہ بنت عابد سکنہ پنجگور، زیبا زوجہ عابد، مولا بخش ولد گل محمد اور صابرہ دختر عمر 15 سال سمیت دیگر شامل ہیں

اوتھل (یو این اے) لسبیلہ کے صدر مقام اوتھل میں زیرو پوائنٹ کے قریب مسافر کوچ اور تیز رفتار ٹرک کے درمیان المناک تصادم ہوا جس کے نتیجے میں ماں بیٹی سمیت 6 افراد جاں بحق اور 17 زخمی ہو گئے۔ جاں بحق اور زخمیوں کا تعلق بلوچستان کے ضلع پنجگور، لسبیلہ اور اندرون سندھ سے بتایا جاتا ہے۔ حادثے کے بعد جائے وقوعہ پر دلسوز مناظر دیکھنے کو ملے، ہر طرف چیخ و پکار اور آہ و بکا کی کیفیت طاری تھی جبکہ مسافروں (باقی صفحہ 2 نمبر 22)

توشہ خانہ 2 کیس، بانی پی ٹی آئی اور بشریٰ بی بی کیخلاف سماعت منسوخ

راولپنڈی (جی این ایم) بانی پی ٹی آئی عمران خان اور ان کی اہلیہ بشریٰ بی بی کے خلاف جمعرات کو اڈیالہ جیل میں ہونے والی توشہ خانہ 2 کیس کی سماعت منسوخ ہو گئی۔ بانی پی ٹی آئی اور بشریٰ بی بی کے خلاف توشہ خانہ 2 کیس کی اگلی تاریخ اسلام آباد جوڈیشل کمپلیکس میں دی جائے گی۔ رات گئے عدالتی عملے کی جانب سے وکلا صفائی اور پراسیکیوشن ٹیم کو اس حوالے سے آگاہ کیا گیا۔

کوئٹہ، گورنر بلوچستان جعفر خان مندوخیل سے سابق نگران صوبائی وزیر امان اللہ کنرانی ملاقات کر رہے ہیں

گندانحہ، جی ٹی اے بلوچستان رہنماؤں کی صوبائی صدر سجاد حسین رند سے ملاقات

اساتذہ کے حقوق کا ہر فورم پر دفاع کریں گے، محکمہ تعلیم کی بہتری کے لیے جدوجہد جاری رہے گی، جی ٹی اے رہنما

گندانحہ (یو این اے) گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن بلوچستان کے صوبائی صدر و قائد اساتذہ سجاد حسین رند سے جی ٹی اے بی کے سینئر رہنما میر محسن خان جمالی، استاد عطاء اللہ جمالی، استاد ذاکر حسین جمالی اور استاد خالد حسین جاوڑانے ملاقات کی۔ ملاقات میں تنظیمی امور اور اساتذہ کرام کو درپیش مسائل پر تفصیلی گفتگو کی گئی۔ رہنماؤں نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ جی ٹی اے بلوچستان اساتذہ کے جائز حقوق کے تحفظ اور محکمہ تعلیم کی بہتری کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرتی رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ اساتذہ کے مسائل کو ہر فورم پر اجاگر کیا جائے گا اور ان کے مفادات کا ہر قیمت (باقی صفحہ 2 نمبر 26)

بارکھان، دوہرے قتل کے مقدمے میں 9 سال سے مفرور اشتہاری گرفتار

اپنے دو بھائیوں کے قتل میں نامزد ملزم غلام رسول کو گرفتار کر لیا گیا، مزید تفتیش جاری

بارکھان (یو این اے) لیویز فورس نے ناہڑ کوٹ میں کامیاب کارروائی کرتے ہوئے دوہرے قتل کے مقدمے میں 9 سال سے مفرور اشتہاری غلام رسول ولد میر ہزار قوم مری کو گرفتار کر لیا۔ یہ کارروائی انچارج لیویز ناہڑ کوٹ حبیب خان دفیعدار نے ڈپٹی کمشنر بارکھان عبدالله کھوسو کی خصوصی ہدایت پر کی۔ ذرائع کے مطابق ملزم غلام رسول پر الزام تھا کہ اس نے 2017 میں اپنے دو بھائیوں کو قتل کیا تھا۔ واقعے کا مقدمہ نمبر 88/2017 تعزیرات پاکستان کی دفعہ 302/34 کے تحت درج کیا گیا تھا، جس میں ملزم نامزد تھا۔ کارروائی کے دوران لیویز فورس نے ملزم (باقی صفحہ 2 نمبر 25)

مشتاق احمد خان کی گرفتاری قابل مذمت ہے، شجاع الحق شاہ

فلسطین کے مظلوم عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی کو جرم بنانا اسرائیل کی ظالمانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے، اتحاد اہلسنت بلوچستان

کوئٹہ (اے این این) اتحاد اہلسنت بلوچستان کے سربراہ سید شجاع الحق شاہ ہاشمی نے تحریری بیان میں کہا کہ ہم سابق سینیٹر مشتاق احمد خان اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ یہ اقدام انسانی حقوق اور بین الاقوامی قوانین کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ فلسطین کے مظلوم عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی والے کارکنوں پر حملہ اور ان کو حراست میں لینا ظلم و بربریت کی انتہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ فلسطینیوں کے لیے امداد لے جانے والوں کو جرم قرار دینا دراصل اسرائیل کی ظالمانہ اور جابرانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ سینیٹر مشتاق احمد خان اور ان کے ساتھیو (باقی صفحہ 2 نمبر 24)

نوجوان تعلیم کو اپنی ترجیح بنائیں خود کو بہتر مستقبل کیلئے تیار کریں، زرک مندوخیل

اگر آج ہم نے تعلیم اور روزگار پر سرمایہ کاری کی تو آنے والا بلوچستان ایک خوشحال اور ترقی یافتہ صوبہ ہوگا

کوئٹہ (اے این این) بلوچستان اسمبلی کے رکن شیخ زرک خان مندوخیل نے کہا ہے کہ صوبے کے نوجوان ہی ہمارا اصل سرمایہ ہیں اور ان کے بہتر مستقبل کے لیے تعلیم، روزگار اور کھیلوں کے مواقع فراہم کرنا حکومت اور عوامی نمائندوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ یہ بات انہوں نے مختلف وفود سے بات چیت کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان کے دور دراز علاقوں میں تعلیمی اداروں اور بنیادی ڈھانچے کی کمی سب سے بڑا چیلنج ہے جو اسمبلی کے فورم پر مسلسل آواز بلند کر رہے ہیں تاکہ نوجوانوں کو معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنرمند بنانے کے لیے فنی تربیتی مراکز قائم کیے (باقی صفحہ 2 نمبر 23)

01

انصاف کیلئے جدوجہد اور مدد کے جذبے کی نمائندگی ہے، حکومت پاکستان انسانی جان کا احترام، محفوظ رسائی اور بلا تعطل امداد کے اصولوں کی حمایت کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت پاکستان اپنے شہریوں کی واپسی کا بھرپور مطالبہ کرتی ہے، پاکستانیوں کی سلامتی، وقار اور جلد وطن واپسی کیلئے دعا گو اور کوشاں ہیں۔ واضح رہے کہ اسرائیل نے غزہ کے فلسطینیوں کیلئے امداد لے جانے والے فلوٹیلا پر دھاوا بول کر کارکنوں کو گرفتار کیا۔ قافلے میں 44 ممالک کے شہری شریک ہیں جن میں پاکستانی بھی شامل ہیں۔ قبل ازیں، وزیراعظم نے ایکس پر جاری اپنے بیان میں فلوٹیلا پر اسرائیلی افواج کے بزدلانہ حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے حراست میں لیے گئے افراد کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ فلوٹیلا میں 44 ممالک سے تعلق رکھنے والے 450 سے زائد انسانی ہمدرد کارکن شامل تھے، جن کا مقصد صرف بے بس فلسطینی عوام کے لیے امداد پہنچانا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اسرائیلی افواج نے متعدد کارکنوں کو غیر قانونی طور پر گرفتار کر لیا ہے، اور ہم ان کی سلامتی کے لیے دعا گو ہیں۔ انہوں نے گرفتار شدگان کی فوری رہائی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ انسانی ہمدردی کی امداد ہر صورت ضرورت مندوں تک پہنچنی چاہیے۔

02

تفصیلی فیصلہ جاری کردیا جس میں کہا ہے کہ فریق بنے بغیر پی ٹی آئی کو ریلیف ملا جو برقرار نہیں رہ سکتا پی ٹی آئی چاہتی تو فریق بن سکتی تھی مگر جان بوجھ کر نہیں بنی، سپریم کورٹ نے کبھی حکم نہیں دیا کہ پی ٹی آئی الیکشن نہیں لڑ سکتی۔ اطلاعات کے مطابق سپریم کورٹ نے مخصوص نشستوں کے کیس کا تفصیلی فیصلہ جاری کردیا جو کہ 47 صفحات پر مشتمل ہے، جسٹس جمال خان مندوخیل اور جسٹس محمد علی مظہر نے وجوہات تحریر کی ہیں، تفصیلی فیصلے میں جسٹس عائشہ اے ملک اور جسٹس عقیل عباسی کا اختلافی نوٹ بھی شامل ہیں، جسٹس صلاح الدین پنہور کی ساعت سے الگ ہونے کی وجوہات پر الگ نوٹ بھی شامل ہے۔ سپریم کورٹ نے نظرثانی درخواستوں کو منظور کرتے ہوئے 27 جون کو فیصلہ سنایا تھا تاہم تفصیلی فیصلہ آج آیا ہے۔ تحریری فیصلے میں کہا گیا ہے کہ ریویو پٹیشنز صرف آئینی بینچ ہی سن سکتا ہے 13 رکنی آئینی بینچ کے سامنے نظرثانی درخواستیں سماعت کے لیے مقرر کی گئیں، آئینی بینچ کے 11 ججوں نے فریقین اور اٹارنی جنرل ایڈووکیٹ جنرلز کو بھی نوٹس جاری کرنے کا حکم دیا، بینچ کے دو ارکان نے مختلف رائے دی اور ریویو پٹیشنز مسترد کردیں، دو ججز نے حتمی فیصلہ سنا کر مزید کارروائی میں حصہ نہیں لیا۔ تفصیلی فیصلے میں کہا گیا ہے کہ مخصوص نشستوں کے کیس میں سات غیر متنازع حقائق ہیں، سنی اتحاد کونسل کی حد تک مرکزی فیصلے میں اپیلیں متفقہ طور پر خارج ہوئیں کہ وہ مخصوص نشستوں کی حق دار نہیں، مرکزی فیصلے میں پی ٹی آئی کو ریلیف دے دیا گیا جبکہ وہ فریق ہی نہیں تھی، پی ٹی آئی اگر چاہتی تو بطور فریق شامل ہو سکتی تھی مگر جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا گیا، پی ٹی آئی کیس میں کسی بھی فورم پر فریق نہیں تھی، جو ریلیف مرکزی فیصلے میں ملا برقرار نہیں رہ سکتا۔ تفصیلی فیصلے میں کہا گیا ہے کہ سپریم کورٹ نے کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ پی ٹی آئی الیکشن نہیں لڑ سکتی، 80 آزاد امیدواروں میں سے کسی نے بھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ پی ٹی آئی کے امیدوار ہیں یا مخصوص نشستیں انہیں ملنی چاہئیں، الیکشن کمیشن نے مخصوص نشستیں دوسری جماعتوں کو دیں، مرکزی فیصلے میں ان جماعتوں کو بغیر سنے ڈی سیٹ کردیا گیا، جو قانون اور انصاف کے تقاضوں کے خلاف تھا، مکمل انصاف کا اختیار استعمال کرکے پی ٹی آئی کو ریلیف نہیں دیا جاسکتا تھا، آرٹیکل 187 کا استعمال اس کیس میں نہیں ہوسکتا تھا۔

03

پراسیکیوٹر کے دفتر نے غزہ جانے والی "گلوبل صمود فلوٹیلا" پر اسرائیلی کارروائی کی تحقیقات شروع کر دی ہیں۔ ترک میڈیا کے مطابق، یہ تحقیقات اقوام متحدہ کے سمندری قوانین کے کنونشن کی روشنی میں کی جا رہی ہیں۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ اسرائیلی بحریہ نے بین الاقوامی پانیوں میں کارروائی کرتے ہوئے 24 ترک شہریوں کو گرفتار کیا، جبکہ مجموعی طور پر 30 ترک شہریوں کو حراست میں لے کر یورپ ڈی پورٹ کرنے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ پراسیکیوٹر کے دفتر نے اعلان کیا ہے کہ تحقیقات میں "آزادی سے محرومی، ٹرانسپورٹ کے ذرائع پر قبضہ یا حراست، لوٹ مار، مادی نقصان اور تشدد" جیسے جرائم پر غور کیا جائے گا۔ یہ اقدام اس وقت سامنے آیا ہے جب دنیا بھر میں اسرائیلی کارروائی کے خلاف غم و غصے کا اظہار کیا جا رہا ہے اور انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی اسے کھلی خلاف ورزی قرار دے رہی ہیں۔

04

اکرام راجہ کا کہنا ہے کہ تحریک تحفظ آئین پاکستان غزہ کے عوام کے ساتھ کھڑی ہے، ہم کشمیری عوام کے ساتھ بھی کھڑے ہیں، ان سے مذاکرات کیے جائیں۔ اسلام آباد میں تحریک تحفظ آئین پاکستان کے رہنماؤں کے ہمراہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ غزہ میں امدادی سامان لے جانے والے بیڑے کو اسرائیل نے قبضے میں لے لیا ہے۔ سلمان اکرم راجہ نے کہا کہ پاکستان کی معیشت جبر سے نہیں چل سکتی، نوجوان نسل بیرون ممالک جا رہی ہے، یہاں دن بدن مہنگائی بڑھ رہی ہے، ملک میں گندم کا بحران سر اٹھا رہا ہے۔ اس موقع پر سینیٹر علامہ راجہ ناصر عباس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ٹرمپ اسرائیل کے ساتھ ملا ہوا ہے، غزہ میں ہزاروں لوگوں کو شہید کیا گیا، فلسطین میں بچوں اور عورتوں پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ مصطفیٰ نواز کھوکھر نے کہا کہ امریکی صدر کے 20 نکاتی امن منصوبے میں امن کی کوئی بات نہیں، ٹرمپ کے 20 نکاتی ایجنڈے کی وزیراعظم پاکستان نے تعریف کی، وزیراعظم نے ایجنڈا پڑھے بغیر اس کی تعریف کرنا شروع کردی۔ انہوں نے کہا کہ وزیر خارجہ نے پریس کانفرنس میں کہا کہ یہ وہ امن منصوبہ نہیں جو ہم نے دیکھا تھا، پاکستان کو اس ایجنڈے میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ کشمیر کی جوائنٹ ایکشن کمیٹی کے 38 مطالبات عوامی ہیں۔ مصطفیٰ نواز کھوکھر کا کہنا ہے کہ کشمیریوں کا سب سے بڑا مطالبہ ہے کہ مہاجرین کی 12 نشستیں ختم کی جائیں، کشمیر کی صورتحال پر وزیراعظم آزاد کشمیر کو مستعفی ہو جانا چاہیے، کشمیر میں حقیقی قیادت کے لیے نئے انتخابات کی طرف جانا ہوگا۔

05

کو قتل کرنا اور بمباری فقط کا لائسنس ملا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکا اسرائیل کو نسل کشی کی اجازت دیتا ہے، ڈونلڈ ٹرمپ کے امن منصوبہ کے بنیادی فریق فلسطینیوں کو درمیان میں رکھا ہی نہیں گیا، اسرائیل کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے بیس نکات پیش کردیے گئے۔ حافظ نعیم الرحمٰن نے کہا کہ حماس تو بیرونی قبضہ گیروں کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے۔ نائب امیر جماعت اسلامی لیاقت بلوچ نے ٹرمپ کے غزہ امن منصوبے پر پارلیمنٹ اور قومی قیادت کو اعتماد میں لینے کا مطالبہ کردیا۔ لیاقت بلوچ نے کہا کہ وزیراعظم شہباز شریف ٹرمپ کا متنازع امن معاہدہ از خود تسلیم کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، وزیراعظم شہباز شریف پارلیمنٹ اور قومی قیادت کو فلسطین پالیسی پر اعتماد میں لیں۔ انہوں نے کہا کہ مسئلہ فلسطین پر غلط اقدام مسئلہ کشمیر کیلئے مہلک ہوگا، آزاد کشمیر کی صورتحال باعث تشویش ہے، عوام سے مذاکرات کیے جائیں۔ لیاقت بلوچ نے کہا کہ مسلم لیگ ن پیپلز پارٹی کی نورا کشتی عوام کو دھوکا دینے کے لیے ہے، مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی کی جان ہائبرڈ نظام میں ہے۔

06

کے پاس تعمیر نو کے لیے رجوع کریں گے۔ سیلاب میں صوبوں نے امدادی اور بحالی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کیا۔ محمد اورنگزیب نے کہا کہ وزیراعظم، فیلڈ مارشل، نائب وزیراعظم اور وزیر منصوبہ بندی احسن اقبال اور دیگر وفود نے نیویارک، بیجنگ اور دیگر ممالک کے دورے کیے۔ ان دوروں سے ملک میں سرمایہ کاری اور تجارت کو فروغ ملے گا اور معیشت بھی مضبوط ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ تین عالمی ریٹنگ ایجنسیوں نے ہمیں اپ گریڈ کیا ہے اس سے کمرشل بینکوں اور عالمی کیپٹل مارکیٹس کے معاملات میں مدد ملے گی۔ اگر ہم نے اپنے وسائل پر صحیح کام کیا تو 2047 تک عالمی بینک کے مطابق تین ٹریلین معیشت بن سکتے ہیں۔ وزیر خزانہ نے کہا کہ آبادی اور موسمیاتی تبدیلی کنٹرول ہو تو آگے جاسکتے ہیں۔ وزیراعظم نے 300 روزہ پلان بنانے کا کہا ہے، جس پر وزارت خزانہ، وزارت موسمیاتی تبدیلی اور دیگر ادارے کام کر رہے ہیں۔ معاشی استحکام کے لیے شارٹ ٹرم اور لانگ ٹرم اقدامات کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے زرمبادلہ ذخائر 38 بلین ڈالر آئے اور ان شاء اللہ رواں سال 41 ارب ڈالر زرمبادلہ آنے کی توقع ہے، ان 38 بلین روپے کے ریفنڈ کو معیشت میں شامل کرنا ہے، یورو بانڈ 1.38 بلین ڈالر بھی شامل ہیں۔ محمد اورنگزیب نے کہا کہ دنیا کی معیشت میں پاکستان کا کیا کردار ہونا چاہیے، اس پر پرائیویٹ سیکٹر بہت اہمیت کا حامل ہے جس سے ملک میں معاشی استحکام آتا ہے، پرائیویٹ سیکٹر کو آگے لے کر جانا ہے اور اس میں ٹیکس اصلاحات کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ وزیر خزانہ نے کہا کہ یورو بانڈ کی مد میں اپریل میں ایک اعشاریہ تین ارب ڈالر ادا کریں گے، رواں سال فروری ریٹ پچھلے سال کے مقابلے میں بہتر ہوا ہے۔ پینڈا بانڈ کا اجرا بھی کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ملک کی ترقی میں نجی سیکٹر کی کارکردگی اور معاشی اصلاحات ضروری ہیں، حکومت پرائیویٹ سیکٹر کو آگے لیکر جانے کے لیے ریفارم ڈھانچے کی بہتری پر کام کر رہی ہے۔ آئندہ سال کے بجٹ میں انرجی ریفارم اور گیس لین ریفارم سمیت متعدد ریفارم لا رہے ہیں۔ محمد اورنگزیب کا کہنا تھا کہ سوال کیا جاتا ہے پی ایس ڈی پی ایک ٹریلین ہے اس سے کس طرح ترقی آئے گی، اس سال پی ایس ڈی پی کا حجم چار اعشاریہ تین ٹریلین ہے، ترقیاتی بجٹ میں فیڈریشن اور صوبوں کو ملا کر دیکھا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ٹیکس بڑھانے پر کام کر رہے ہیں، ٹیکس پالیسی کا فنکشن اب ایف بی آر کے پاس نہیں ہے، اب ایف بی آر کا کام صرف ٹیکس اکٹھا کرنا ہوگا۔ اگلے سال کا بجٹ ٹیکس پالیسی آفس کی جانب سے دیا جائے گا اور ٹیکس پالیسی آفس کا بجٹ مستحکم بجٹ ہوگا، 4 اعشاریہ 3 ٹریلین روپے کا ترقیاتی بجٹ رکھا گیا ہے۔ وزیر خزانہ کا کہنا تھا کہ برآمدات کے بل بوتے پر ترقی کرنے کی پالیسی پر کام کر رہے ہیں، عوام ٹیکس بھریں گے تو ترقی ہوگی۔ ٹیکس پالیسی میں بہتری اور سرمایہ کاری دوست بنا رہے ہیں۔

07

نے 2014 میں بھی استعفے دیے تھے وہ بھی منظور نہیں کیے تھے۔ ایک انٹرویو میں ایاز صادق نے کہا کہ پی ٹی آئی والے پہلے بھی پارلیمنٹ میں واپس آگئے تھے، امید ہے اب بھی قائمہ کمیٹیوں میں آجائیں گے، ہماری کوشش ہے یہ پارلیمنٹ کا پوری طرح حصہ رہیں۔ ایاز صادق نے کہا کہ قائمہ کمیٹیوں کے اجلاسوں کی ریکوزیشنز آ رہی ہیں انہیں ہم نہیں روک سکتے، قائمہ کمیٹیاں کسی صورت غیر فعال نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ میری پوری کوشش ہے کہ پی ٹی آئی واپس آئے اور قائمہ کمیٹیوں کا حصہ بنے، پی ٹی آئی کے ارکان اسمبلی کو اپنے ایم این اے ہونے کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ پی ٹی آئی کے ارکان جن کمیٹیوں کے چیئرمین تھے انکی جگہ ابھی نئے چیئرمین نہیں لگائے، میں کوشش کرتا رہوں گا کہ وہ قائمہ کمیٹیوں کا دوبارہ حصہ بن جائیں۔

08

کرنے کا بھی اعلان کر دیا۔ غیر ملکی میڈیا رپورٹس کے مطابق ترجمان گلوبل صمود فلوٹیلا کا کہنا ہے کہ اسرائیلی افواج نے فلوٹیلا میں شامل 37 ممالک کے 200 سے زائد افراد کو حراست میں لے لیا ہے جن میں سپین کے 30 شرکا، اٹلی کے 22، ترکی کے 21 اور ملائیشیا کے 12 شامل تھے۔ انہوں نے کہا کہ گرفتاریوں کے باوجود گروپ کا مشن جاری ہے، اور جہاز اب بھی بحیرہ روم کے راستے غزہ کا محاصرہ توڑنے کے لیے رواں دواں ہیں، ہمارے پاس تقریباً 30 جہاز ہیں جو ابھی بھی قابض افواج کے فوجی جہازوں سے بچتے ہوئے غزہ کے ساحل تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ قبل ازیں قطری نشریاتی ادارے الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق گلوبل صمود فلوٹیلا کے ایک جہاز الما سے براہ راست مناظر میں دکھایا گیا ہے کہ فلوٹیلا کے اراکین مداخلت کے انتظار میں بیٹھے ہیں، المار انسانی حقوق کے کارکن لائف جیکٹس پہنے ہوئے ہیں۔ اسرائیلی حملے اور کارکنوں کو حراست میں لینے کے بعد گلوبل صمود فلوٹیلا نے فلسطین کے حامیوں کو احتجاج کی کال دیدی۔ گلوبل صمود فلوٹیلا نے سوشل میڈیا پر جاری پیغام میں کہا کہ ان کے قافلے پر اسرائیل کے حملے شروع ہو چکے ہیں اور اب وقت آ گیا ہے کہ اسرائیل کو ردعمل دیا جائے۔ گلوبل صمود فلوٹیلا نے مطالبہ کیا کہ سفارتخانوں، پارلیمان کے سامنے مظاہرے کیے جائیں تاکہ فلسطین کے حق میں عالمی دباؤ بڑھایا جاسکے۔ فلوٹیلا کی جانب سے بیان میں کہا گیا کہ ان کمپنیوں کے سامنے بھی مظاہرے کیے جائیں جو فلسطینیوں کی نسل کشی میں اسرائیل کیساتھ ملوث ہیں۔ اسرائیل کی طرف سے ان کارروائیوں کے بعد شدید بین الاقوامی ردعمل سامنے آیا۔ اسرائیلی محاصرے کو توڑنے کی کوشش میں روانہ ہونے والے گلوبل صمود فلوٹیلا کے قافلے کے گرفتار ارکان نے اسرائیلی فوج کی جانب سے فراہم کردہ کھانا قبول کرنے سے انکار کردیا، دوسری جانب دنیا کے مختلف ممالک میں مظاہرے پھوٹ پڑے ہیں، جہاں لوگ نہ صرف فلوٹیلا کے ساتھ اظہار یکجہتی کر رہے ہیں بلکہ اسرائیلی رویے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔ غزہ کے لیے دوائیں اور کھانے کا سامان لے کر رواں دواں قافلے کی 13 کشتیوں کو اسرائیلی بحریہ نے بدھ و جمعرات کی شب گھیر کر نہ صرف ان میں سے چار کو قبضے میں لے لیا بلکہ ان کے کمیونیکیشن سسٹم کو جام کیا اور کیمروں کی لائیو فیڈ بند کر دی۔ انہی کشتیوں میں وہ کشتی بھی شامل تھی جس پر معروف ماحولیاتی کارکن گریٹا تھنبرگ موجود تھیں۔ کچھ مسافروں نے اپنے پاسپورٹ دکھاتے ہوئے ویڈیوز بنائیں اور کہا کہ انہیں زبردستی اسرائیل لے جایا جا رہا ہے۔ فلوٹیلا کے ارکان اور منتظمین نے اسرائیلی اقدام کو سختی سے رد کیا اور اسے انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور بین الاقوامی قانون کی صریح پامالی قرار دیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ان کا مشن مکمل طور پر انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر مبنی ہے، جس کا مقصد غزہ کے محصور عوام تک براہ راست امداد پہنچانا اور غیر قانونی ناکہ بندی کو توڑنا ہے۔ اس حوالے سے جاری ایک ویڈیو میں دیکھا جا سکتا ہے کہ گلوبل صمود فلوٹیلا کی کشتی پر سوار کارکن ظلم کے خلاف بھوک ہڑتال کا اعلان کر رہے ہیں اور اس احتجاج کو ریکارڈ کروا رہے ہیں کہ ہم کھانا نہیں کھائیں گے جب فلسطینیوں کو بھوکا رکھا جا رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ایک اسرائیلی فوجی افسر نے ماحولیاتی کارکن گریٹا تھنبرگ کو ریڈ بل پیش کی، تو انہوں نے اسے مسکراتے ہوئے لینے سے انکار کر دیا، ان کا یہ واضح موقف تھا کہ اگر اسرائیلی حکام واقعی انسانی ہمدردی رکھتے تو وہ گلوبل فلوٹیلا کو روکنے کے بجائے اسے غزہ تک محفوظ راستہ فراہم کر دیتے۔ ادھر اسرائیل کی طرف سے 13 کشتیوں کو قبضے میں لینے کے بعد اب بھی 30 کشتیاں بدستور غزہ کی سمت بڑھ رہی ہیں اور یہ فلوٹیلا کے منتظمین اور کارکن کسی قیمت پر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قافلہ کسی قیمت پر نہیں رکے گا اور غزہ کی مظلوم آبادی تک آواز اور امداد پہنچانے کی اپنی کوشش جاری رکھے گا۔ اسرائیلی افواج نے گلوبل صمود فلوٹیلا کے بڑی جہازوں کو بین الاقوامی پانیوں میں روکنے کے لیے بھرپور طاقت کا استعمال کیا۔ انہوں نے کئی جہازوں کے راستے میں رکاوٹ ڈالی، انہیں گھیرے میں لیا، اور بعض کشتیوں کو پاور فل واٹر کینن کے طاقتور پانی سے نشانہ بنایا تاکہ عملے کے ارکان کو خوفزدہ کیا جاسکے اور انہیں آگے بڑھنے سے روکا جاسکے۔ اس جارحانہ کارروائی کے بعد، اسرائیلی کمانڈوز نے زبردستی فلوٹیلا کی کشتیوں پر چڑھائی کی اور امدادی کارکنوں، صحافیوں اور پارلیمنٹیرینز سمیت کئی افراد کو حراست میں لے لیا۔ ان حراست میں لیے گئے افراد کو اسرائیلی بندرگاہوں جیسے اشدود منتقل کیا گیا، جہاں ان سے تفتیش کی گئی اور انہیں نفسیاتی دباؤ میں لانے کیلئے سخت اقدامات کیے گئے۔ اسرائیلی بحریہ نے گلوبل صمود فلوٹیلا کی کشتیوں پر دھاوا بول کر تحویل میں لے لیا جس کے بعد جہازوں اور کشتیوں میں سوار افراد کو حراست میں لے کر اسرائیلی پورٹ منتقل کر دیا۔ اسرائیلی حکام نے دعویٰ کیا کہ تمام گرفتار افراد محفوظ ہیں۔ حکام کے مطابق اسرائیل پہنچنے کے بعد تمام گرفتار کارکنوں کو ملک بدر کر دیا جائے گا۔ دوسری جانب دنیا کے مختلف ممالک میں احتجاجی مظاہرے شروع ہوگئے۔ یونان، اٹلی اور ترکیہ میں عوام کی بڑی تعداد نے سڑکوں پر نکل کر فلوٹیلا اور غزہ پر حملوں کے خلاف احتجاج کیا۔ ترکی نے کارروائی کو دہشت گردی کا عمل قرار دیا اور استنبول میں اسرائیلی قونصل خانے کے باہر فلسطینی حامی کارکنوں اور شہریوں نے بڑے پیمانے پر احتجاج کیا اور فلوٹیلا پر کیے گئے حملے اور اس کے ارکان کو حراست میں لینے کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ جرمنی کے دارالحکومت برلن کے مرکزی ریلوے اسٹیشن پر فلوٹیلا کے ساتھ اسرائیلی کارروائیوں، کشتیوں کو روکنے اور کارکنوں کو حراست میں لینے کے خلاف اپنا شدید ردعمل ظاہر کیا گیا۔ اس احتجاج کے ذریعے اسرائیل کے عمل کی مذمت کی گئی اور بین الاقوامی برادری سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ حراست میں لیے گئے کارکنوں کی فوری رہائی کو یقینی بنائے۔ کولمبیا کے صدر نے اسرائیلی سفارتی عملے کو ملک بدر کرنے کے ساتھ ساتھ "آزاد تجارتی معاہدہ ختم" کرنے کا بھی اعلان کر دیا۔ دریں اثنا فلسطین کی مزاحمتی تنظیم حماس نے غزہ کیلئے امدادی سامان لے جانے والے گلوبل صمود فلوٹیلا پر اسرائیلی حملے اور انسانی حقوق کے کارکنوں کو گرفتار کرنا بحری قزاقی اور دہشت گردی قرار دے دیا۔ حماس نے ایک بیان میں کہا کہ اسرائیل نے امدادی کشتیوں میں سوار کارکنوں اور صحافیوں کو نشانہ بنایا جو انسانیت کے خلاف جرم ہے اور اسرائیل کے اس اقدام سے دنیا بھر کے لوگوں کا غصہ مزید بھڑک جائے گا۔ مزاحمتی تنظیم نے دنیا بھر سے اسرائیلی جرم کی مذمت کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اقوام متحدہ اور عالمی برادری اپنی قانونی اور اخلاقی ذمہ داریاں پوری کرے۔ تنظیم نے مطالبہ کیا کہ کارکنوں اور امدادی کشتیوں کے تحفظ کیلئے فوری اقدامات کیے جائیں۔ یاد رہے کہ یہ فلوٹیلا 31 اگست کو اسپین سے روانہ ہوا تھا تاہم راستے میں مزید ملکوں سے قافلے شامل ہوتے گئے۔ ادھر فلوٹیلا میں سوار برازیلین انسانی حقوق کارکن تھیا گوادیلا نے کہا کہ انتہائی نازک لمحات میں ہم متحد ہیں۔ اسرائیل کی جانب سے حراست میں لیے جانے سے قبل فلوٹیلا میں سوار برازیلین انسانی حقوق کارکن تھیا گوادیلا نے آڈیو پیغام میں کہا کہ آگے جہاز نظر آرہے ہیں لیکن ہمارا عزم مضبوط ہے، فلسطین کا محاصرہ توڑنے کیلئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ تھیا گوادیلا نے مزید کہا کہ اپنے مشن کے فیصلہ کن لمحات پر پہنچ رہے ہیں، مشن کو دل سے محبت اور جانفشانی کے ساتھ کیا، بہت کچھ سیکھتے ہیں، آپ کے ساتھ اکٹھا ہونا میری زندگی کا اعزاز رہا ہے۔

09

بتایا کہ غزہ امن منصوبہ بارے واشنگٹن میں اہم سفارتی سرگرمیاں تیز ہوگئی ہیں، غزہ معاملے پر عالمی شراکت داروں سے مشاورت ہو رہی ہے۔ کیرولین لیویٹ نے بتایا کہ غزہ امن منصوبے پر پیشرفت کیلئے خاموش سفارتکاری جاری ہے، غزہ پر بات چیت حساس معاملہ ہے، جلد بازی ممکن نہیں، غزہ سے متعلق فیصلے عالمی امن اور خطے کے استحکام سے جڑے ہیں۔ پریس سیکریٹری وائٹ ہاؤس کا مزید کہنا تھا کہ حماس کے ساتھ مذاکراتی امکانات پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔

10

شازیہ مری نے کہا کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان دفاعی تعلقات میں پیشرفت خوش آئند، پیپلز پارٹی اس معاہدے کو مثبت نظر سے دیکھتی ہے۔ اپنے ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ پارٹی کو امید ہے وزیراعظم وطن واپسی پر چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کو معاہدے سے متعلق اعتماد میں لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی پاکستان کی کسی بھی سفارتی کامیابی پر خوش ہوتی ہے اور ملک کے حوالے سے آنے والی ہر اچھی خبر کا خیر مقدم کرتی ہے۔ شازیہ مری کا مزید کہنا تھا کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان دفاعی تعلقات میں پیشرفت خوش آئند ہے اور پیپلز پارٹی اس معاہدے کو مثبت نظر سے دیکھتی ہے۔

11

دفتر خارجہ شفقت علی خان کے مطابق اسحاق ڈار نے پاکستان اور جرمنی کے درمیان سیاسی، تجارتی، سرمایہ کاری اور تعلیمی تعاون کو مزید مضبوط بنانے کی اہمیت پر زور دیا۔ نائب وزیراعظم نے ماحولیاتی تبدیلی سے نمٹنے کے لیے مشترکہ اقدامات، ہنرمند افرادی قوت کی منتقلی اور دفاعی تعاون کو وسعت دینے کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔ اسحاق ڈار نے سفیر انا لیپل کو پاکستان میں اپنی سفارتی ذمہ داریوں کی کامیابی کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور امید ظاہر کی کہ ان کی تعیناتی سے پاک۔جرمن تعلقات مزید مستحکم ہوں گے۔

12

اقدامات کیے گئے ہیں۔ ترجمان پولیس اور زخمی اہلکاروں کے مطابق، چکسواری کے علاقے پلاک میں تعینات اہلکاروں پر مظاہرین نے دھاوا بول دیا، وردیاں پھاڑیں، ڈنڈے اور پتھر برسائے، کئی اہلکاروں کو یرغمال بنا کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ زخمی اہلکاروں نے بتایا کہ عوامی ایکشن کمیٹی کے کارکنان نے فائرنگ کے ساتھ ساتھ آنسو گیس کا استعمال بھی کیا، اور مظاہرین کیل لگے ڈنڈوں سے حملہ آور ہوئے۔ ہم نے پرامن احتجاج کی اپیل کی، مگر مظاہرین پہاڑوں پر چڑھ کر فائرنگ کرنے لگے۔ اہلکاروں کا کہنا ہے کہ ایس پی سمیت متعدد پولیس ملازمین زخمی ہوئے، کنٹینرز ہٹا دیے گئے، حتیٰ کہ ایمبولینس کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ ایک اہلکار کے بقول، ہماری رہائش گاہوں کو گھیر کر نذر آتش کر دیا گیا۔ ذرائع کے مطابق مظاہرین کے پاس 30 بور اور نائن ایم ایم پسٹل موجود تھے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ یہ سب کچھ امن و امان کو تباہ کرنے کی ایک منظم کوشش کا حصہ لگتا ہے۔ واضح رہے کہ حکومت نے متعدد بار مذاکرات کی پیشکش کی ہے، مگر عوامی ایکشن کمیٹی کے بعض عناصر احتجاج کے نام پر صورتحال کو تشدد کی جانب دھکیل رہے ہیں۔ مقامی انتظامیہ اور قانون نافذ کرنے والے ادارے کسی بھی ناخوشگوار صورتحال سے نمٹنے کے لیے الرٹ ہیں۔

13

پرامن امدادی مشن کو نشانہ بنانا اسرائیلی درندگی کا تسلسل ہے، پرامن امدادی مشن کے کارکنوں کی گرفتاری انسانی وقار کے منافی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امداد کو روکنا اسرائیل کی بے رحمانہ پالیسیوں اور سامراجی ذہنیت کی عکاسی ہے، اسرائیلی بربریت نے بین الاقوامی قوانین اور عالمی ضمیر کو روند ڈالا ہے، اسرائیلی بربریت اور عالمی قوانین کی خلاف ورزی پر اقوام متحدہ فوری کارروائی کرے۔ شیری رحمان کا کہنا تھا کہ کشتی میں سوار صحافیوں کو نشانہ بنانا اظہار رائے پر حملہ اور سچ کو دبانے کی کوشش ہے، دنیا فلسطین کے حق میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو، عالمی طاقتیں اسرائیلی مظالم کے خلاف عملی اقدام کریں۔ سینیٹر شیری رحمان نے کہا کہ فلوٹیلا پر حملہ اسرائیلی گھبراہٹ کا مظہر اور ظلم کی نئی داستان ہے، اسرائیل کی جانب سے بین الاقوامی میڈیا کی آواز دبانا ناقابل قبول ہے، امدادی قافلے پر حملے نے اسرائیل کا جابرانہ چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب کردیا ہے، اسرائیلی مظالم پر اب خاموشی کا وقت نہیں، مظلوموں کے ساتھ کھڑا ہونا اور اسرائیل کو جوابدہ بنانا عالمی امن کی ضرورت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فلسطین پر مسلسل حملے، محاصرہ اور قحط اسرائیل کے ہاتھوں انسانیت کی تباہی کی عکاسی ہے، غزہ میں امداد کا مستحقین تک پہنچانا اولین ترجیح ہے، اسرائیلی بربریت بند اور خطے میں مستقل امن کا قیام ضروری ہے۔

14

اور باہمی دوستی پر مبنی یہ تعلقات خطے میں استحکام کا باعث ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عمان کے ساتھ تعلیم کے شعبے میں تعاون کے نئے راستے کھلیں گے۔ عمانی سفیر نے کہا کہ عمان نے جدیدیت کو اپنایا ہے لیکن اپنی ثقافت کو بھی محفوظ رکھا ہے۔ ڈاکٹر خالد مقبول صدیقی نے اس بات پر زور دیا کہ عمان کے ساتھ عربی زبان کی تدریس اور ٹیکنیکل و ووکیشنل ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ (TVET) کے شعبے میں تعاون کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے عربی زبان سیکھنا ضروری ہے اور اسی مقصد کے لیے اسکولوں اور کالجوں میں عربی زبان کے کورسز متعارف کرائے جائیں گے۔ وفاقی وزیر نے مزید کہا کہ عربی ادب کو اردو میں اور پاکستانی ادب کو عربی میں ترجمہ کرنے سے علم کے تبادلے اور ثقافتی روابط کو فروغ ملے گا۔ عمانی سفیر نے اس بات پر یقین دہانی کرائی کہ دونوں ممالک کی وزارت تعلیم کے درمیان تعاون کو مزید مضبوط بنایا جائے گا۔ انہوں نے وفاقی وزیر کو اپنے دفتر آنے کی دعوت بھی دی۔ یہ بھی نوٹ کیا گیا کہ 2019 سے اب تک پاکستان اور عمان کے درمیان تعلیم کے شعبے میں دستخط شدہ مفاہمتی یادداشتوں (MoU) پر پیش رفت ہوئی ہے۔

15

کہا کہ پاکستان اور اومان کے درمیان مضبوط برادرانہ تعلقات ہیں جو دونوں ممالک کے عوام کے مفاد میں مزید استحکام کا باعث بنیں گے۔ انہوں نے صحت کے شعبے میں جاری اصلاحات، ویکسین کی مقامی تیاری کے حوالے سے حکومتی اقدامات اور دیگر ترقیاتی منصوبوں پر بھی روشنی ڈالی۔ وزیر صحت نے کہا کہ دونوں ممالک کے درمیان صحت کے مختلف شعبوں میں مشترکہ تعاون سے نہ صرف طبی معیار میں اضافہ ہوگا بلکہ تجربات سے استفادہ کرنے کے بھی مواقع پیدا ہوں گے۔ انہوں نے خاص طور پر فارماسیوٹیکل شعبے میں تکنیکی اشتراک کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس شعبے میں ایک دوسرے سے سیکھنے کے بے شمار مواقع موجود ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے کہا کہ پاکستان ویکسین کی مقامی تیاری کے لیے پرعزم ہے اور اس ضمن میں حکومت نے کئی اقدامات کیے ہیں جو نہ صرف ملک کی صحت کی ضروریات کو پورا کرنے میں مددین گے بلکہ عالمی سطح پر بھی پاکستان کی صحت کی صلاحیتوں کو نمایاں کریں گے۔ اومان کے سفیر فہد خلف الخروصی نے پاکستان کے طبی شعبے کی مہارت کو قابل تحسین قرار دیتے ہوئے کہا کہ اومان کا ملک نرسنگ اور میڈیکل ٹیکنیشنز سمیت ہنرمند طبی عملے کی خدمات حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ انہوں نے طبی تعلیم، پیشہ ورانہ تربیت اور ماہرین کے باقاعدہ تبادلے کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ ملاقات کے اختتام پر وزیر صحت نے کہا کہ دونوں ممالک کے درمیان صحت کے میدان میں اشتراک عمل کو مزید مستحکم کرنے کے اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے تجربات سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

16

والے شہریوں پر گاڑی چڑھا دی۔ چاقو بردار حملہ آور اپنی گاڑی سے باہر نکلا اور عبادت گاہ جانے والوں پر حملہ کر دیا جس میں 2 یہودی موقع پر ہی ہلاک ہوگئے اور 3 شدید زخمی ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں سیکیورٹی گارڈ بھی شامل ہے جو حملہ آور کو روکنے کی کوشش میں بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اسے چاقو کے گہرے گھاؤ آئے تھے۔ حملے کی اطلاع ملتے ہی پولیس نے یہودی عبادت گاہ کا محاصرہ کر لیا جن کے ساتھ فائرنگ کے تبادلے میں حملہ آور بھی مارا گیا۔ تاہم سیکیورٹی فورسز نے فائرنگ کے تبادلے میں حملہ آور کے مارے جانے کی تصدیق نہیں کی لیکن حملہ آور کو گولیاں لگنے کی تصدیق کی۔ حملہ آور کے جسم پر مشتبہ ذرات ملنے کی وجہ سے ایک بم ڈسپوزل یونٹ کو طلب کیا گیا اور اسی وجہ سے پولیس فوری طور پر اس کی موت کی تصدیق نہیں کر سکی۔ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ حملہ آور نے جسم پر بارودی مواد باندھ کر آیا تھا جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔ بم ڈسپوزل ٹیم کی کارروائی جاری ہے۔ یاد رہے کہ جنگِ غزہ کے بعد سے دنیا بھر کے یہودی عبادت گاہوں اور یہودیوں پر حملوں میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔ رواں برس ہی پیرس میں چند یہودی عبادت گاہ، ان کے گھروں، شوا کا مرکز اور ریسٹورانز پر سپرے رنگ سے جلاؤ اور تخریب کاری کی گئی تھی۔

17

پہنچ چکا ہے، زرعی شعبے میں چین کے تجربات سے استفادہ کریں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم ہر طرح کے حالات میں چین کے ساتھ کھڑے ہیں، زرعی شعبے میں خود کفیل ہونا ہے تاکہ اپنے مستقبل کو محفوظ بنا سکیں، پانی کی بچت اور موثر استعمال کے لیے آب پاشی کے جدید طریقوں کو اپنانا ہوگا۔ صدر مملکت نے کہا ہے کہ پاکستان اور چین کے درمیان تعاون اور سرمایہ کاری کے وسیع مواقع ہیں، پانی کے انتظام، آفات کی روک تھام اور جدید زرعی ٹیکنالوجی میں تعاون کا فروغ وقت کا تقاضہ ہے، ہمارا جغرافیائی محل وقوع باہمی مفاد پر مبنی تعلقات کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئندہ نسلوں کو باور کرانا ہے کہ اپنے وسائل کے بہتر استعمال سے خود انحصاری حاصل کر سکتے ہیں، چین اور پاکستان آہنی بھائی ہیں جن کا مستقبل ایک دوسرے سے جڑا ہے، چین نے ٹیکنالوجی میں جدت اور محنت کے بل بوتے پر دنیا میں مقام بنایا۔ انہوں نے کہا ہے کہ سی پیک بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو کا فلیگ شپ منصوبہ ہے، پاکستان کی بندرگاہیں چین کے لیے قریب ترین بندرگاہوں میں سے ہیں، سی پیک کی کامیابی سے پورا خطہ ترقی کرے گا اور روابط مضبوط ہوں گے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ چین کے پاس شمسی اور ہوا سے بجلی پیدا کرنے کا وسیع تجربہ ہے، پاکستان چین کے تعاون سے قابل تجدید توانائی کے منصوبوں پر کام کر رہا ہے، ریلوے کے شعبے میں بھی چین کی ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔

18

سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اختلاف رائے جمہوریت ہے، آئین کے مطابق کام کریں گے، ہم نے اسرائیل کے حوالے سے کوئی فیصلہ نہیں کیا، ہم اتحادی ملکوں کے ساتھ مل کر چل رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اسرائیل کے حوالے سے ہم نے کوئی فیصلہ کیا ہے نہ کرنے جا رہے ہیں، جب پارلیمنٹ کا اجلاس ہوگا وزیر خارجہ پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیں گے، ڈپٹی وزیراعظم اور وزیر خزانہ پہلے ہی وضاحت کرچکے ہیں۔ سید یوسف رضا گیلانی نے کہا کہ وزیراعظم اور فیلڈ مارشل امریکا گئے ہیں، یہ صرف اکیلے وزیراعظم کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ قائم مقام صدر نے کہا کہ امریکی صدر ٹرمپ کے ساتھ امن معاہدہ کیا گیا جس میں ہمارے اتحادی سعودی عرب، یو اے ای، انڈونیشیا، ترکی، اردن بھی شامل ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم نے اپنے دور میں آپریشن کیا، 90 روز کے اندر لوگوں کو اپنے گھر بھیجا، ساتویں این ایف سی ایوارڈ کا اعلان گوادر میں کیا تھا، صوبوں کو حقوق دینے کے حق میں ہیں، نئے صوبوں کا طریقہ کار آئین میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ خبریں نہیں بننے دوں گا، آپ چاہتے ہیں کہ وہاں نواز لیگ اور یہاں گنڈاپور سے لڑائیں، خارجہ پالیسی وفاقی حکومت کا اختیار ہے، وفاق نے طے کرنا ہے کہ ملک کی خارجہ پالیسی کیا ہونی چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب بھارت نے حملہ کیا تو بلاول بھٹو نے بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا موقف پیش کیا، ہم جمہوریت کی بات کرتے ہیں، ہم نے اسمبلی توڑنے کا اختیار 58 ٹو بی ختم کیا، ہم نے تیسری بار وزیراعظم بننے کی شق ختم کی اس کا فائدہ کس کو ہوا۔ قائم مقام صدر کا کہنا تھا کہ جب آئین کے مطابق چلیں گے تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، صوبے کے حقوق، نئے صوبوں کی تشکیل، این ایف سی کی تشکیل ان سب کی آئین میں وضاحت ہے، ہم جمہوری لوگ ہیں اور جمہوریت میں اختلاف رائے ہوتا ہے۔

19

میں ماسکو کے رشین اکیڈمی آف سائنسز کے انٹرنیشنل سینٹر فار سنٹرل ایشیا (ICCA) کے ممتاز محقق ڈاکٹر نکیتا الیریلسکی نے خصوصی خطاب کیا۔ تقریب میں توانائی کے ماہرین، محققین اور پالیسی سازوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ مقررین نے وسطی ایشیا کے توانائی منظرنامے اور پاکستان کے لئے اس کے اثرات پر تفصیل سے تبادلہ خیال کیا۔ بالخصوص ترکمانستان۔افغانستان۔پاکستان۔انڈیا (TAP) پائپ لائن کو پاکستان کے وژن برائے توانائی تحفظ اور علاقائی روابط کے تناظر میں سنگ میل قرار دیا گیا۔ ڈاکٹر نکیتا الیریلسکی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ترکمانستان قدرتی گیس کے وسیع ذخائر کا حامل ملک ہے اور برآمدی راستوں کی تنوع کے لئے TAP منصوبہ نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خطے کو اگرچہ سیاسی اور انفراسٹرکچر سے متعلقہ چیلنجز درپیش ہیں لیکن ترکمانستان اس پائپ لائن کو اسٹریٹجک لائف لائن تصور کرتا ہے۔ ان کے مطابق یہ منصوبہ پاکستان کی بڑھتی ہوئی توانائی ضروریات کو پورا کرنے کا ایک پائیدار ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان کا جغرافیائی محل وقوع اور اس کا بہتر ہوتا انفراسٹرکچر اسے علاقائی توانائی راہداریوں میں مرکزی حیثیت عطا کرتا ہے۔ پاکستان کی TAP منصوبے میں شمولیت اس کی وسیع تر پالیسی کا حصہ ہے، جس کا مقصد توانائی تحفظ کے ساتھ ساتھ علاقائی انضمام اور معاشی ترقی کو یقینی بنانا ہے۔ لیکچر کے اختتام پر سوال و جواب کا سیشن بھی ہوا جس میں شرکاء نے قیمتوں کے تعین، مالی پہلوؤں اور علاقائی تعاون کے مستقبل پر سوالات اٹھائے۔ IRS کی جانب سے اس عزم کا اعادہ کیا گیا کہ پاکستان کی توانائی پالیسی کے تحت اس طرح کے منصوبوں کو بھرپور انداز میں آگے بڑھاتا رہے گا تاکہ خطے میں امن، ترقی اور خوشحالی کو فروغ دیا جاسکے۔

20

مختلف وفود سے بات چیت کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان کے دور دراز اور پسماندہ علاقوں میں اسپتالوں اور بنیادی مراکز صحت کو جدید سہولیات سے آراستہ کرنے کے لیے جامع منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹروں اور پیرا میڈیکل اسٹاف کی کمی کو پورا کرنے کے لیے نئی بھرتیاں کی جائیں گی، جبکہ موجودہ عملے کی استعداد کار بڑھانے کے لیے خصوصی ٹریننگ پروگرامز شروع کیے جا رہے ہیں۔ وزیر صحت نے اس موقع پر صوبے میں حالیہ بیماریوں اور وبائی صورتحال پر قابو پانے کے لیے کیے گئے اقدامات کی تفصیلات بھی بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ ویکسینیشن مہمات کو تیز کیا جا رہا ہے، خاص طور پر بچوں اور خواتین کو مختلف بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے بڑے پیمانے پر آگاہی پروگرام بھی شروع کیے گئے ہیں۔ بخت کاکڑ نے کہا کہ صوبائی حکومت صحت کے شعبے میں نجی اداروں کے تعاون کو بھی خوش آمدید کہتی ہے تاکہ عوام کو معیاری طبی سہولیات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ بوجھ میں کمی لائی جاسکے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ آئندہ بجٹ میں صحت کے لیے خطیر رقم مختص کی جائے گی تاکہ صوبے کے اسپتالوں میں جدید آلات، ایمبولینس سروس اور ادویات کی فراہمی یقینی بنائی جاسکے۔ وزیر صحت نے کہا کہ بلوچستان کے عوام صحت کے شعبے میں حقیقی تبدیلی دیکھیں گے اور حکومت اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔

21

سربراہی، شاہ خالد زیارتوال کے تعاون اور بابو عبدالحمید کاکڑ کی قیادت میں شامل ہونے والے خاندانوں نے پاکستان مسلم لیگ (ن) پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے صوبائی وزیر خوراک حاجی نور محمد دمڑ نے کہا کہ مسلم لیگ (ن) ہی وہ جماعت ہے جو عوامی مسائل کے حل اور بلوچستان کی ترقی کی ضمانت ہے۔ انہوں نے کہا کہ عوام کا اعتماد اور شمولیت ہی ہماری اصل طاقت ہے اور ہم مل کر زیارت، ہرنائی، زرغون غر سمیت بلوچستان کی پسماندگی ختم کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ (ن) کی پالیسی عملی اقدامات اور عوامی خدمت پر مبنی ہے، اور پارٹی قیادت بلوچستان کو خوشحالی و ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے سنجیدہ اقدامات اٹھا رہی ہے۔ حاجی نور محمد دمڑ نے شامل ہونے والے گھرانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ یہ فیصلہ عوام کے حقیقی قیادت اور خدمت پر یقین کا ثبوت ہے۔

22

کا سامان ٹکرا گیا۔ اطلاع ملتے ہی ایدھی انچارج بلوچستان ڈاکٹر عبدالحکیم لاسی، ریسکیو 1122 اور لسبیلہ ویلفیئر ٹرسٹ کے رضا کار موقع پر پہنچ گئے اور نعشوں و زخمیوں کو ایمبولینس کے ذریعے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال اوتھل منتقل کیا گیا، جہاں شدید زخمیوں کو ابتدائی طبی امداد کے بعد کراچی ریفر کردیا گیا۔ جاں بحق افراد میں عظیمہ بنت عابد سکنہ پنجگور، زیبا زوجہ عابد، مولا بخش ولد گل محمد اور صابرہ دختر عمر 15 سال سمیت دیگر شامل ہیں۔ حادثہ اس وقت پیش آیا جب بدقسمت کوچ پنجگور سے کراچی جارہی تھی کہ پتھر سے بھرے ٹرک سے ٹکرا گئی۔ حادثے کے باعث قومی شاہراہ پر ٹریفک کی روانی معطل ہوگئی جسے پولیس کی مدد سے بحال کردیا گیا۔ عوامی حلقوں نے وفاقی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس خونی شاہراہ کو فوری طور پر دو رویہ بنانے کے کام میں تیزی لائی جائے، کیونکہ زیادہ تر المناک حادثات لسبیلہ کی حدود میں رونما ہوتے ہیں۔

23

جا سکیں۔ انہوں نے کہا کہ بے روزگاری نوجوانوں کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ہے، اور اس کا حل یہی ہے کہ صوبے میں ترقیاتی منصوبے شروع کیے جائیں، جن سے نہ صرف مقامی لوگوں کو روزگار ملے گا بلکہ معیشت بھی بہتر ہوگی۔ انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ وہ اپنی سیاسی جدوجہد نوجوانوں کی خوشحالی اور عوامی مسائل کے حل کے لیے جاری رکھیں گے۔ شیخ زرک خان مندوخیل نے کہا کہ کھیلوں کے فروغ سے نوجوانوں میں مثبت سرگرمیاں پروان چڑھتی ہیں، اسی لیے وہ اپنے حلقے میں کھیلوں کے میدانوں اور اسپورٹس کمپلیکس کے قیام کے لیے اقدامات کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں بلوچستان کے نوجوان ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنا لوہا منوائیں۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ تعلیم کو اپنی ترجیح بنائیں اور نوجوان نسل کو بہتر مستقبل کے لیے تیار کریں۔ اگر آج ہم نے تعلیم اور روزگار پر سرمایہ کاری کی تو آنے والا بلوچستان ایک خوشحال اور ترقی یافتہ صوبہ ہوگا۔

24

ان مظلوم فلسطینی بھائیوں کی حمایت ہے جو اپنی آزادی کی قربانی دی، جس پر پوری پاکستانی قوم کو فخر ہے۔ ان کی قربانی فلسطین کے لیے ہماری اجتماعی جدوجہد کو مزید مضبوط کرتی ہے۔ ہم حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صرف بیانات تک محدود نہ رہے بلکہ عملی سفارتی اور قانونی اقدامات اٹھائے تاکہ تمام گرفتار افراد کی فوری رہائی ممکن بنائی جاسکے۔ عالمی برادری اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو بھی چاہیے کہ وہ اسرائیل کے ان غیر قانونی اور غیر انسانی اقدامات کا نوٹس لیں اور انصاف فراہم کرنے کے لیے موثر کردار ادا کریں۔

25

کو حراست میں لے کر تھانہ ہیڈ کوارٹر بارکھان منتقل کردیا ہے، جہاں اسے لاک اپ میں بند کردیا گیا ہے۔ حکام کے مطابق ملزم سے مزید تفتیش جاری ہے۔

26

پر تحفظ کیا جائے گا۔ اس موقع پر تنظیم کے صوبائی آرگنائزر استاد اکبر بلوچ بھی موجود تھے، جنہوں نے تنظیمی یکجہتی اور مسائل کے حل کے لیے اجتماعی جدوجہد جاری رکھنے پر زور دیا۔ رہنماؤں نے واضح کیا کہ جی ٹی اے بلوچستان ایک غیر سیاسی اور اساتذہ دوست تنظیم ہے جو صرف اساتذہ کے مفاد، تدریسی معیار کی بہتری اور تعلیمی نظام کی مضبوطی کے لیے کوشاں ہے۔

27

قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ انتظامیہ کی خاموشی نے عوام کو لوٹنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ شہریوں نے ڈپٹی کمشنر کچھی اور اسسٹنٹ کمشنر بھاگ سے فوری نوٹس لینے اور سرکاری نرخنامے کے مطابق ریلیف فراہم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

28

پر باقی ہائی کورٹس سے فیصلہ ہو چکا ہے؟ مختلف ٹیکس پیئر کمپنیوں کے وکیل فروغ نسیم نے بتایا کہ سندھ ہائی کورٹ نے ترمیم خارج کر دی جبکہ اسلام آباد اور لاہور ہائیکورٹ میں زیرالتوا ہیں، آج کی تاریخ میں بینکوں پر سپر ٹیکس 10 فیصد ملا کر 53 فیصد بن جاتا ہے، فی الحال بینکوں پر ٹیکس لگا ہے اور ترمیم میں تمام سیکٹرز کا نام ہے۔ وکیل فروغ نسیم نے کہا کہ اچھے ہیں، برے ہوں یا چور ہوں لیکن معیشت کا پہیہ ان سے ہی چل رہا ہے، اس صورتحال کے بعد لوگ افریقا کے مختلف ممالک میں اپنی فیکٹریاں شفٹ کر رہے ہیں۔ جسٹس امین الدین نے ریمارکس دیے کہ ہمارے ہاں سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ یہاں تھنک ٹینکس نہیں ہیں۔ وکیل فروغ نسیم نے کہا کہ عدالتیں ٹیکس پیئر کو ریلیف نہیں دیں گی تو وہ ہاتھ ملائیں گے اور نقصان کس کا ہوگا، ہائی کورٹس سے ہماری اپیلیں ڈرافٹ میں مسئلہ ہونے کی وجہ سے منظور ہوئیں۔ سپر ٹیکس کیسز کی ساعت کے دوران پارلیمنٹ اور آئین کی اہمیت کا ذکر ہوا تو جسٹس جمال مندوخیل نے ریمارکس دیے کہ آئین پارلیمنٹ سے ہی بنتا ہے۔ وکیل فروغ نسیم نے کہا کہ پاکستان میں پارلیمنٹ سے زیادہ آئین کی پاور ہے، پوری دنیا میں پارلیمنٹ کی پاور ہے، جسٹس محمد علی مظہر نے استفسار کیا کہ 4 سی میں اضافی ٹیکس کے حوالے سے واضح نہیں لکھا، اگر اضافی ٹیکس بارے لکھا ہوتا تو آپ کو مسئلہ نہ ہوتا۔ وکیل فروغ نسیم نے کہا کہ جی یہ الفاظ لکھے ہوتے تو معاملہ واضح ہوتا، میں نے اپنے دور میں سپر ٹیکس نہیں لگنے دیا۔ جسٹس محمد علی مظہر نے ریمارکس دیے کہ سپر ٹیکس کا مطلب ہی اضافی ٹیکس ہے، اس کو اور کیا واضح کرنے کی ضرورت ہے، وکیل فروغ نسیم نے دلائل میں کہا کہ جب ایڈیشن ہوگا تو سپر ٹیکس لگے گا، مجھے کوئی ڈکشنری دکھادیں جس میں لکھا ہو سپر ٹیکس کا مطلب اضافی ٹیکس ہے۔ جسٹس جمال مندوخیل نے ریمارکس دیے کہ جب سپر ٹیکس کا مطلب ہی اضافی ٹیکس ہے تو کیا دکھائیں، انگریزی کی تعریف لکھی ہے تو ضرورت ہی نہیں ہے سپر ٹیکس کا مطلب لکھنا۔ جسٹس محمد علی مظہر نے ریمارکس دیے کہ لکھا ہوا ہے کہ سپر ٹیکس الگ ٹیکس ہے تو یہ ڈبل ٹیکس تو نہ ہوا نا، وکیل فروغ نسیم نے کہا کہ آرٹیکل 55، 56 اور 58 میں سپر ٹیکس الگ آزاد ٹیکس ہے، اب جب ٹیکس الگ لکھیں گے نہیں تو آزاد نہیں ہے، آئندہ ہفتے سے سپر ٹیکس کیسز کی ساعت کا وقت کیا رکھیں گے۔ عدالت نے ریمارکس دیے کہ 26 ویں آئینی ترمیم کے خلاف درخواستوں پر ساعت بعد میں رکھیں گے، پہلے سپر ٹیکس کی ساعت ہوگی۔ وکیل فروغ نسیم نے کہا کہ امید ہے آئندہ ہفتے سے آئینی دلائل دوں گا، جس پر جسٹس جمال مندوخیل نے ریمارکس دیے کہ آئینی بینچ ہے اور ابھی تک اس کیس میں آئینی بات نہیں ہوئی۔ سپریم کورٹ کے آئینی بینچ نے سپر ٹیکس کیسز کی ساعت کل تک ملتوی کردی، مختلف ٹیکس پیئر کمپنیوں کے وکیل فروغ نسیم دلائل جاری رکھیں گے۔

29

کرنا چاہیے، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا لیکن تمام ممالک بے حس ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ چوہدری سالک حسین نے کہا کہ اسرائیلی عمل پر پاکستان کو شدید ردعمل دینا چاہیے اور شدید ردعمل دیا جائے گا، پچھلے دو سال میں جو کچھ اسرائیل نے کیا ہے اس کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ المیہ یہ ہے کہ اسرائیل کو ان سب مظالم اور بربریت پر ندامت بھی نہیں ہو رہی، ہم اسرائیل کو تسلیم کرنے سے متعلق کوئی بات نہیں کر رہے، ہم فلسطین میں جاری قتل عام کو روکنے کے لیے 20 نکات پر بات کر رہے ہیں۔ سالک حسین نے میڈیا سے گفتگو کے دوران کہا کہ پچھلے سال 7 لاکھ 35 ہزار لوگ پاکستان سے بیرون ملک نوکریوں کے لیے گئے، ہم پاکستانیوں کے لیے بیرون ملک ترقی کے مزید مواقع تلاش کر رہے ہیں، امید ہے وائٹ کالر اور مینجمنٹ کی نوکریوں پر بھی لوگوں کو بھجوایا جائے گا۔ سالک حسین نے کہا کہ اپنی زندگی میں کبھی ایسے اچھے پاک امریکا تعلقات نہیں دیکھے جتنے اب ہیں، ہمیں برابری کی سطح پر سب سے بات کرنی چاہیے۔ چوہدری سالک حسین نے کہا ہے کہ حکومت اور پیپلز پارٹی کے درمیان بات چیت سے معاملات حل ہو جائیں گے، حکومت بڑا فریق ہے انہیں دل بڑا کرنا چاہیے، دو پارٹنرز میں لڑائی ہوتی رہتی ہے۔ وفاقی وزیر چوہدری سالک حسین نے کہا کہ کشمیر میں حالات کشیدہ ہیں حکومت کو وہاں جانا چاہیے، آزاد کشمیر کے مسئلے پر بات چیت سے حل نکالنا چاہیے۔

30

ایک نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے لیگی رہنما طارق فضل چوہدری نے کہا کہ پی اے سی کے چیئرمین جنید اکبر بھی استعفیٰ دے چکے ہیں، ان تمام استعفوں کے پیچھے جنید اکبر خان کو پی اے سی چیئرمین شپ سے ہٹانا مقصد تھا، جنید اکبر کے مخالف گروپوں نے پی ٹی آئی میں ایسی چال چلی کہ تمام قائمہ کمیٹیوں سے استعفے دلوائے گئے۔ انہوں نے کہا کہ بانی پی ٹی آئی کو زمان پارک میں بھی رکھ سکتے ہیں اس کے حق میں ہوں، ہم بانی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینا چاہتے، بانی پی ٹی آئی اسلام آباد کی ڈسٹرکٹ جیل میں جائیں گے، اسلام آباد کے جتنے قیدی اڈیالہ میں ہیں وہ سب اسلام آباد کی ڈسٹرکٹ جیل میں منتقل ہوں گے۔ بانی کو بنی گالہ شفٹ کرنے اور ہاؤس اریسٹ کے حق میں ہوں۔

31

ملاقات کرے گا، حکومتی اتحاد کے حوالے سے اپنے تحفظات سے بھی آگاہ کرے گا۔

32

، راجہ پرویز اشرف، وزیراعظم آزاد جموں و کشمیر چوہدری انوار الحق، سابق صدر آزاد جموں و کشمیر مسعود خان اور قمر زمان کائرہ شامل ہیں۔ مظفرآباد روانگی پر مشترکہ پریس کانفرنس میں وفاقی وزیر احسن اقبال نے کہا کہ آزاد کشمیر کے لوگوں کے جائز مسائل کے حل کیلئے حکومت کردار ادا کرے گی، کچھ عناصر پاکستان کے داخلی امن میں خلل ڈالنے کیلئے فائدہ اٹھانا چاہیں گے۔ احسن اقبال نے مزید کہا کہ آزاد کشمیر کے عوام کے تمام جائز مطالبات و جذبات کی قدر کرتے ہیں، امید ہے کہ بات چیت کے ذریعے تمام مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ راجہ پرویز اشرف نے کہا کہ کوشش ہوگی کہ کشمیر کے عوام کے جائز مطالبات فوراً پورے کیے جائیں، اس صورتحال سے جلد نکلنا ضروری ہے، پاکستان اور کشمیر دشمنوں کے کئی عزائم ہو سکتے ہیں، مل بیٹھ کر گفت و شنید کے ذریعے جائز مطالبات کو حل کرنا چاہیے۔ رانا ثنا اللہ نے کہا کہ وزیراعظم کی ہدایت پر تمام دوست یہاں موجود ہیں۔

33

نے کہا ہے کہ روسی زبان سیکھنا نہ صرف تعلیمی ترقی کا ذریعہ ہے بلکہ یہ روزگار اور کیریئر کے بے شمار نئے دروازے بھی کھولتی ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں روسی زبان کے تیسرے اور چوتھے بیچ کے طلبا کو اسناد کی تقسیم کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے سفیر نے کہا کہ پاکستانی جوانوں کے لئے روس میں شاندار مواقع موجود ہیں، آج ہی روسی زبان سیکھنا شروع کریں تاکہ آپ روس میں اپنے مستقبل کو روشن اور کامیاب بنا سکیں۔ انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں روسی زبان کا مرکز دونوں ممالک کے تعلقات کو مضبوط بنانے اور ثقافتی تبادلے کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز رجسٹرار راجہ عمر یونس کے خوش آمدیدی اور تعارفی کلمات سے ہوا۔ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ناصر محمود نے کہا کہ اوپن یونیورسٹی بین الاقوامی تعاون کو خاص اہمیت دیتی ہے اور روسی زبان کے کورس کی کامیابی اس عزم کی واضح عکاسی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ تعلیم کے ذریعے پاکستان اور روس کے تعلقات مزید مستحکم ہوں گے۔ ڈاکٹر ناصر محمود نے بتایا کہ پاکستانی طلبہ روس میں اعلیٰ تعلیم میں دلچسپی رکھتے ہیں اور زبان سیکھنے کے لیے ہمارے پاس آتے ہیں، ہم انہیں تربیت فراہم کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ اپنی تعلیمی منزل با آسانی حاصل کر لیتے ہیں۔ اسلام آباد میں روسی سفارتخانے کی تعلیم و ثقافت کی سیکرٹری الینا کولیکووا نے اوپن یونیورسٹی میں روسی زبان کے مرکز کو دونوں ممالک کے دوستانہ تعلقات اور ثقافتی تبادلے کے فروغ میں ایک اہم قدم قرار دیا۔ روسی زبان کی انسٹرکٹر الیکسینا اینڈریٹس نے کورس کی کامیابیوں اور اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ انٹرنیشنل کولیریشن اینڈ ایکسچینج کے ڈائریکٹر ڈاکٹر زاہد مجید نے یونیورسٹی کے پروفائل اور وزارت تعلیم، روسی فیڈریشن کے ساتھ تعاون پر مختصر بریفنگ دیتے ہوئے کہا کہ یہ تعلیمی شراکت داری دونوں ممالک کے طلبہ کے لیے علمی مواقع فراہم کرنے اور ثقافتی تبادلے کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم نے یونیورسٹی میں 2023 میں روسی زبان و ثقافت کا مرکز قائم کیا تھا اور آج ہم تیسرے اور چوتھے بیچ کے 28 گریجویٹس کو اسناد فراہم کر رہے ہیں۔ تقریب کے آخر میں طلبہ میں اسناد تقسیم کی گئیں اور تمام شرکاء نے اس کامیاب پروگرام کو دونوں ممالک کے تعلیمی تعلقات میں ایک مثبت قدم قرار دیا۔

34

القدس کا دفاع آخری دم تک کرتے رہیں گے، غزہ میں امن کی ذمہ داری پہلے عالم اسلام اور پھر عالمی برادری پر عائد ہوتی ہے۔ انقرہ میں ترک گرینڈ نیشنل اسمبلی میں نئے مقننہ سال کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے صدر اردوان کا کہنا تھا کہ ہم نے فلسطین میں جاری نسل کشی کے خلاف سب سے موثر آواز ترکی کی ہے، غزہ پر غیر متزلزل موقف سے عالمی سطح پر روشن مثال قائم کی، قبلہ اول القدس کا دفاع آخری دم تک کرتے رہیں گے، ہم نے غزہ کے ان بہادر بیٹوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑا جنہوں نے جدید ترین ہتھیاروں سے لیس قابض افواج کا دلیرانہ مقابلہ کیا۔ ترک صدر کا کہنا تھا کہ ہم نے غزہ کے عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے اسرائیل کے ساتھ تجارت منقطع کی، ٹرمپ کے ساتھ ملاقات میں پہلا موضوع غزہ میں خونریزی کا خاتمہ تھا، ترکیہ نے غزہ میں امن کیلئے عملی تجاویز پیش کیں، ترکیہ اس وقت تک اپنی جدوجہد جاری رکھے گا جب تک مشرقی مقبوضہ بیت المقدس کو دارالحکومت بنا کر 1967 کی سرحدوں کے مطابق ایک خود مختار فلسطینی ریاست قائم نہیں ہو جاتی۔ صدر اردوان کا کہنا تھا کہ غزہ اب مزید خون، آنسو اور تباہی برداشت نہیں کر سکتا، یہ شرمناک صورتحال فوراً ختم ہونی چاہیے۔ انہوں نے آزاد فلسطینی ریاست کے ایک معروف نعرے کا حوالہ دیتے ہوئے امید ظاہر کی کہ وہ خوبصورت دن بھی آئیں گے جب دریا سے سمندر (پورے فلسطین) تک امن، سکون اور سلامتی کا راج ہوگا۔

35

کارروائی پر اطمینان کا اظہار کیا ہے، اپنے ایک بیان میں صوبائی وزیر آبپاشی کا کہنا تھا کہ فتنہ الہندوستان کے دہشت گرد عناصر اپنے بیرونی آقاؤں کے ایجنڈے پر عمل درآمد کرتے ہوئے ملک کو غیر مستحکم کرنے کی جو کوششیں کر رہے ہیں اس میں انہیں کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں ہوگی، میر محمد صادق عمرانی نے کہا کہ دہشتگرد عناصر نے بزدلانہ کارروائی کے ذریعے معصوم عوام اور سیکورٹی فورسز پر حملہ کر کے اپنے ناپاک عزائم میں کامیابی حاصل کرنے کی جو مکروہ کوشش کی ہمارے بہادر جوانوں نے فوری ردعمل دیتے ہوئے تمام دہشت گردوں کو ہلاک کرتے ہوئے ثابت کیا کہ وہ ہر قسم کی مہم جوئی کا نہ صرف مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ ملک اور عوام کی مال و جان کے تحفظ کے لیے انہوں نے جو حلف اٹھایا تھا وہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے وطن عزیز کی حفاظت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑیں گے، صوبائی وزیر نے کہا کہ موجودہ صوبائی حکومت بلوچستان میں امن و امان کے قیام اور درپیش مسائل کے حل کے لیے ٹھوس اقدامات کر رہی ہے اور ان سنجیدہ کوششوں کی بدولت بلوچستان دن بدن ترقی کے منازل طے کر رہا ہے انہوں نے کہا کہ بلوچستان کے عوام، صوبائی حکومت اور امن و امان قائم کرنے والے ادارے صوبے میں قیام امن اور تعمیر و ترقی کے لیے مشترکہ کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں لہٰذا اس طرح کے بزدلانہ کارروائیوں سے ہم کبھی بھی مرعوب نہیں ہوں گے اور انشاء اللہ ہم ایک دوسرے کی باہمی تعاون سے دہشت گردی کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ کر اپنے صوبے کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے اپنی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، میر محمد صادق عمرانی نے عوام اور خصوصاً نوجوانوں سے گزارش کی کہ وہ اس طرح کے حالات سے خوفزدہ نہ ہوں اور بھروسہ رکھیں کہ صوبائی حکومت اور سیکورٹی فورسز لوگوں کے مال و جان کی تحفظ کے لیے پوری ذمہ داری سے اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں

36

درد مند دل رکھنے والے با صلاحیت اور عوام دوست رہنما ہیں، جو رنگ، نسل اور زبان کی تفریق کے بغیر نصیر آباد ڈویژن سمیت پورے بلوچستان کے عوام کی خدمت میں مصروف ہیں۔ میر عابد علی صوبھانی نے کہا کہ سردار زادہ غلام رسول خان عمرانی نوجوانوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے، فنی تربیت دینے اور لیبر کلاس کے مسائل کے حل کرنے کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔ ان کی قیادت میں بلوچستان خصوصاً پسماندہ علاقوں کے عوام کو وہ سہولتیں اور مواقع میسر آرہے ہیں جن کا وہ طویل عرصے سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہمیں فخر ہے کہ ہمیں ایسا قائد میسر آیا ہے جو خلوص، دیانتداری اور خدمت کے جذبے کے تحت عوام کی قیادت کر رہا ہے۔ عوامی خدمت کا یہ سفر جاری رہے گا اور ہم اپنے قائد کے شانہ بشانہ ہر میدان میں کھڑے ہیں۔ عوامی خدمت کا یہ سفر جاری رہے گا اور ہم اپنے قائد کے شانہ بشانہ ہر میدان میں کھڑے ہیں۔

37

مرتوش شمشاد کبزئی بلا مقابلہ چیئرمین ضلع کونسل منتخب ہو گئے۔ ریٹرننگ آفیسر وزیر خان ناصر کے مطابق مقررہ وقت تک صرف مولوی مرتوش شمشاد کبزئی نے کاغذات نامزدگی جمع کرائے اور جانچ پڑتال کے بعد انہیں بلا مقابلہ کامیاب قرار دیا گیا۔ انتخابی عمل کے دوران پولیس کی بھاری نفری تعینات رہی تاہم کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ بی اے پی کے ضلعی صدر حاجی شاہ زمان کاکڑ، چیئرمین میونسپل کمیٹی شاہ بران کاکڑ، جے یو آئی کے ضلعی امیر مولوی سرور خان کاکڑ، مولوی عبداللہ خان کاکڑ اور دیگر رہنماؤں نے نو منتخب چیئرمین کو مبارکباد دی۔ مولوی مرتوش شمشاد کبزئی نے کہا کہ ان کی کامیابی عوام اور اتحادی جماعتوں کے اعتماد کا ثمر ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمام کونسل اراکین اور اتحادیوں کو ساتھ لیکر چلیں گے اور ضلع کو درپیش بنیادی مسائل کے حل کو اولین ترجیح دی جائے گی۔

38

کہا کہ میر علی حسن زہری حقیقی معنوں میں عوامی خدمت گار، ترقی پسند اور مخلص رہنما ہیں جن کی بے لوث خدمات اور سیاسی جدوجہد سے انکار ممکن نہیں۔ انہوں نے صدر مملکت آصف علی زرداری کے ترجمان برائے بلوچستان اور صوبائی وزیر زراعت میر علی حسن زہری کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے ضلع حب میں عوامی مفاد کے متعدد ترقیاتی منصوبے مکمل کر کے عوام کو براہ راست سہولتیں فراہم کی ہیں۔ ان منصوبوں میں پینے کے صاف پانی، پختہ سڑکوں، نکاسی آب کے نظام، تعلیم اور صحت کی سہولیات شامل ہیں۔ مشتاق گلاب نے کہا کہ ماضی میں دہائیوں تک اقتدار رکھنے والوں نے حب اور لسبیلہ کے عوام کو صرف محرومیوں اور مایوسیوں کے سوا کچھ نہیں دیا، مگر میر علی حسن زہری نے قلیل عرصے میں عوام کے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ میر علی حسن زہری لسبیلہ میں بھی ترقیاتی منصوبوں پر عمل درآمد یقینی بنا کر عوام کو بنیادی سہولیات فراہم کریں گے۔

39

بلا مقابلہ ڈسٹرکٹ چیئرمین منتخب ہوگئے ہیں۔ ان کے مقابلے میں کسی اور امیدوار نے کاغذات نامزدگی جمع نہیں کرائے جس کے باعث وہ بلا مقابلہ کامیاب قرار پائے۔ کامیابی کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے مولوی مرتوش کبزئی نے کہا کہ یہ کامیابی دراصل عوام کے اعتماد کا اظہار ہے۔ عوامی اور سماجی حلقوں نے ان کی بلا مقابلہ کامیابی پر مبارکباد پیش کی ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ وہ علاقے کے مسائل کے حل میں بھرپور کردار ادا کریں گے۔

40

بجائے مسلم ممالک کو اسرائیل کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ انہوں نے صمود فلوٹیلا میں شریک نہتے فلسطینیوں کے جذبے کو سراہتے ہوئے کہا کہ اسرائیلی جارحیت کا موثر سدباب طاقت سے ہی ممکن ہے۔ علامہ مقدسی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اہم قومی و خارجہ امور پر فیصلوں میں پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیا جائے اور حق پر مبنی موقف اپنایا جائے، کیوں کہ تاریخ میں حق پر ڈٹے رہنے والوں کی شان باقی رہتی ہے۔ انہوں نے عراق کی جانب سے بلا خاندان سفر کرنے والے مرد زائرین پر عائد پابندی کو غیر منصفانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان اس معاملے میں اپنے شہریوں کے حقوق کا نوٹس لے۔ علامہ مقدسی نے فتنہ خارجیت کے سدباب کے لیے پیغام حسینیت کے فروغ پر زور دیا اور پنجاب میں ذکر حسین پر عائد ناروا پابندیوں کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔ بدلے میں انہوں نے کہا کہ نیشنل ایکشن پلان پر سختی سے عملدرآمد کر کے دہشت گردی کی پناہ گاہوں کا خاتمہ ضروری ہے اور افواج پاکستان کی بیش بہا قربانیاں رائیگاں نہیں جانے دی جائیں گی۔ علامہ مقدسی نے کہا کہ اندرونی دشمن کو کنٹرول کر کے ہی بیرونی خطرات کا سامنا ممکن ہے اور قوم کو مشکلات میں صبر و استقامت کے لیے کربلا والوں کے راستے پر چلنے کی دعوت دی۔

41

نے کہا کہ ہمارا مذہب، معاشرہ اور قانون اقلیتی برادری کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ ہندو محلہ آمد پر کونسلر برج لال اور دیگر پنچایت اراکین نے ڈسٹرکٹ وائس چیئرمین کا استقبال کیا۔ انہوں نے انتظامیہ پر زور دیا کہ چوروں کو فوری طور پر گرفتار کر کے متاثرہ خاندان کو انصاف فراہم کیا جائے اور اقلیتی برادری کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ میر اسفندیار خان نے ہندو پنچایت کو یقین دلایا کہ وہ خود کو کبھی تنہا نہ سمجھیں، ان کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے۔

42

خصوصاً بالا ناڑی اور تحصیل بھاگ، نوگو ایریاز تصور کیے جاتے تھے، جہاں عوام شدید مشکلات اور خوف و ہراس میں مبتلا تھے۔ لیکن جب سے کیپٹن (ر) جمعداد خان مندوخیل نے ڈپٹی کمشنر کچھی کا چارج سنبھالا ہے، حالات میں نمایاں بہتری آئی ہے اور عوام نے سکون کا سانس لیا ہے۔ سید محمد ارشاد الدین شاہ بخاری نے کہا کہ ڈپٹی کمشنر کچھی کے خلاف پھیلائی جانے والی بے بنیاد باتوں اور منفی پروپیگنڈے میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ یہ محض ایک سازش ہے، جس کی ہم بھرپور مذمت کرتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ امن دشمن عناصر کے خلاف کارروائی ناگزیر ہے تاکہ شریف، سفید پوش اور عام عوام آزادانہ گھوم پھر سکیں۔ لیویز فورس کے بہادر جوانوں نے جرائم پیشہ عناصر کے خلاف آپریشنز میں جو قربانیاں دی ہیں وہ تاریخ کا روشن باب ہیں۔ خصوصاً شہید محسن اعوان حقیقی معنوں میں ہم سب کے محسن ہیں جن کی قربانی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اور ان جیسے شہداء کی بدولت ہی آج امن و سکون قائم ہے۔ انہوں نے کہا کہ چند مٹھی بھر عناصر علاقے میں خوف و ہراس پھیلا کر اپنی اجارہ داری قائم رکھنا چاہتے ہیں لیکن وہ قانون سے ہرگز بالاتر نہیں۔ باشعور اور غیرت مند عوام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امن کے قیام کے لیے ڈپٹی کمشنر کچھی کیپٹن (ر) جمعداد خان مندوخیل کا ساتھ دیں، کیونکہ عوام کی بقاء، ترقی اور خوشحالی امن و امان سے ہی جڑی ہوئی ہے۔

43

کالعدم تنظیموں کے آپسی جھگڑوں میں بھی شدت پسند مارے جاتے ہیں انہوں نے کہا کہ سال 2014-15 میں میرے اور براہمداغ کے حامیوں میں بھی ایسے جھگڑے ہوئے، بڑی تنظیموں میں ڈسپلن، پسند نا پسند کے نام پر آپسی جھگڑے ایک حقیقت ہے، آپسی جھگڑوں میں مارے جانے والوں کی فیملیز کو موت کی وجہ حقیقت کے برعکس بتائی جاتی ہے۔ گلزار امام شنبے نے ماہ رنگ بلوچ کے والد غفار لانگو کے حوالے سے بھی انکشافات کیے، انہوں نے بتایا کہ افغانستان میں ڈاکٹر نجیب حکومت گرنے کے بعد خیر بخش مری کوئٹہ آئے تو غفار لانگو نے انہیں جوائن کیا، جب پہاڑوں کا رخ کیا تو غفار لانگو نے مسلح جدوجہد جوائن کی غفار لانگو کی ریاست مخالف سرگرمیوں کی تصدیق کر دی، انہوں نے کہا کہ بی ایل اے ہو یا دیگر تنظیمیں بھارت کی حمایت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، عطاء اللہ مینگل کہتے تھے کہ پاکستان کے خلاف شیطان بھی مدد کرے تو لو، ساری تنظیمیں منشیات و دیگر غیر قانونی کاموں سے بھی پیسہ اکٹھا کرتی ہیں۔ دنیا بھر میں ہوتا ہے مزاحمتی تنظیمیں مفاہمت کا راستہ اختیار کرتی ہیں، ہم نے بھی عسکریت پسندی سے سیاسی جدوجہد میں واپسی کا راستہ اپنایا، سیاسی جدوجہد سے ہی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں، عسکریت پسندی کوئی حل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان سے اسلحہ و پناہ گاہوں کی سپورٹ ملتی ہے، بی ایل اے کو آج بھی حاصل ہے، امریکی فوج کے زیر استعمال جدید آلات و اسلحہ کی بلیک مارکیٹ افغانستان میں تھی، آج بھی افغانستان سے اسلحہ و دیگر ساز و سامان سپلائی ہوتا ہے۔

44

کی وجہ سے سریاب کے مکینوں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے اب مصدقہ اطلاعات کے مطابق سریاب کی آبادی کو پانی پاس کر کے دشت کے ٹیوب ویلز کے پانیوں کو بیچنے کی سازش ہو رہی ہے جس کو ہم کسی بھی صورت برداشت نہیں کریں گے اور یہ عوام دشمن اقدام ہمارے لئے ناقابل قبول ہیں۔ انہوں نے حکومت وقت اور خصوصاً ذمہ داران سے مطالبہ کیا ہے کہ دشت کے ٹیوب ویلوں کے پانی کو سریاب کے علاقے کیلئے مخصوص کیے جائیں جن کے لئے وہ ٹیوب ویلز لگائے گئے تھے۔ انہوں نے خبردار کیا ہے کہ اگر سریاب کو نظر انداز کر کے دشت کے پانی کو کہیں اور ترسیل کیا گیا تو ہم سیاسی اور جمہوری انداز میں اس ناروا فیصلے کے خلاف احتجاج کا حق محفوظ رکھتے ہیں کیونکہ بلوچستان نیشنل پارٹی نے ہمیشہ سریاب اور دیگر علاقوں کے عوام کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لئے ہمیشہ آواز اٹھائی ہے اور عوامی حقوق کی خاطر جدوجہد کو ترجیح دی ہے۔ آج بھی اگر چند اداروں کی کالی بھیڑیں عوامی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے اور دشت کے پانی کو کہیں اور لے جانے کی سازش کر رہے ہیں تو وہ جان لیں کہ ہم خاموش نہیں رہیں گے۔

45

فرنچائز مالکان ادائیگی کے وقت فی کس ہزار سے بارہ سو روپے تک کاٹ لیتے ہیں جس کے باعث اصل رقم ان تک نہیں پہنچتی۔ خواتین نے شکایت کی کہ بارہا متعلقہ حکام کو آگاہ کرنے کے باوجود نہ کوئی کارروائی کی گئی اور نہ ان کوتاہیوں کا سلسلہ بند کیا گیا۔ بعض مقامات پر مستحقین کو رقم دینے کے بجائے تاریخ پر تاریخ دی جاتی ہے اور خواتین کو گھنٹوں لائنوں میں کھڑا رکھا جاتا ہے۔ عوامی، سماجی اور صحافتی حلقوں نے چیئرپرسن بینظیر انکم سپورٹ پروگرام اور ضلعی انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ متعلقہ فرنچائز مالکان کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جائے تاکہ مستحق خواتین کو ان کا حق شفاف طریقے سے مل سکے۔ بصورت دیگر عوامی احتجاج اور قانونی کارروائیوں کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔ خواتین نے شکوہ کیا ہے کہ کرپٹ ایجنٹس اور فرنچائز مالکان فی کس ہزار سے بارہ سو روپے تک کاٹ لیتے ہیں۔

46

بخش جواب نہ دیے، پارٹی پالیسیوں کی بار بار خلاف ورزی اور مائنز اینڈ منرلز ایکٹ پر اسمبلی میں پارٹی موقف پیش نہ کرنے پر یہ کارروائی عمل میں لائی گئی۔ اعلامیہ میں مزید کہا گیا ہے کہ میر جہانزیب مینگل نے ایکٹ کی مخالفت کرنے کے بجائے اسمبلی اجلاس میں شریک نہ ہو کر راہ فرار اختیار کی، جو پارٹی نظم و ضبط کے خلاف ہے۔ پارٹی کے مطابق مائنز اینڈ منرلز ایکٹ بلوچستانی عوام کے وسائل پر قبضے کے مترادف ہے جسے پارٹی نے مکمل طور پر مسترد کر دیا ہے۔ اعلامیہ میں واضح کیا گیا کہ بلوچ و پشتون عوام کے وسائل ان کی بقا کا مسئلہ ہیں اور ان پر کسی قسم کی کوتاہی یا خاموشی ناقابل برداشت ہوگی۔

47

کا معائنہ کیا اور صحافی برادری کو درپیش مسائل سے آگاہی حاصل کی۔ صحافیوں نے ڈپٹی کمشنر کو عمارت کی زبوں حالی، سہولیات کی کمی اور دیگر اہم مسائل سے تفصیل سے آگاہ کیا۔ ڈپٹی کمشنر عبدالرزاق جگہ نے مسائل کو بغور سنا اور یقین دہانی کرائی کہ صحافیوں کے تمام جائز مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ پریس کلب کی عمارت کی فوری مرمت اور بنیادی سہولیات کی فراہمی کے لیے کوشش کریں گا۔ اس موقع پر ڈپٹی کمشنر نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ صحافت معاشرے کا چوتھا ستون ہے۔ اور صحافی برادری کا کردار، جمہوری اقدار کے استحکام میں نہایت اہم ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ ضلعی انتظامیہ صحافیوں کے ساتھ مکمل تعاون جاری رکھے گی تاکہ وہ بہتر انداز میں اپنا مثبت اور تعمیری کردار ادا کر سکیں۔ جبکہ اس موقع پر چاکر خان دیناری، محمد حنیف بلوچ، عبداللہ مگسی، محمد رفیق پندرانی، قربان علی چوان، سونا جمالی، عبدالفتاح رند، غازی خان تنیو، عابد علی، وحید علی اور دیگر صحافی بھی موجود تھے، جنہوں نے ڈپٹی کمشنر کے دورے کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ صحافت کے فروغ اور صحافیوں کے تحفظ کے لیے موثر اور عملی اقدامات اٹھائے جائیں گے۔

48

پسماندہ علاقوں کو بنیادی سہولیات، خوشحالی اور دیرپا ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت عوامی مسائل کے حل، بنیادی انفراسٹرکچر کی بہتری، صحت، تعلیم، پانی اور روزگار کی فراہمی پر بھرپور توجہ دے رہی ہے۔ صوبائی وزیر نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ ترقیاتی منصوبے برابری کی بنیاد پر تمام اضلاع تک پہنچائے جائیں گے تاکہ کوئی علاقہ محرومی کا شکار نہ ہو۔ امن و امان کے حوالے سے بات کرتے ہوئے سردار زادہ فیصل جمالی نے دہشت گردی کو ناسور قرار دیتے ہوئے کہا کہ سیکیورٹی اداروں کی قربانیوں کو سلام پیش کرتے ہیں اور دشمن کے عزائم کو ہر صورت ناکام بنایا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان پیپلز پارٹی ایک عوامی جماعت ہے جو ہمیشہ عوام کے ساتھ کھڑی رہی ہے اور رہے گی۔ ہماری سیاست کا محور عوامی خدمت، سماجی انصاف اور ترقی ہے تاکہ عوامی مسائل ان کی دہلیز پر حل ہو سکیں۔

49

کاکڑ، سیکرٹری صحت مجیب الرحمٰن پانیزئی اور اسپیشل سیکرٹری اسمبلی عبدالرحمٰن شریک ہوئے۔ اجلاس کے آغاز میں ڈاکٹر شاہ کو مینگل نے کمیٹی کو تفصیلی بریفنگ دی۔ اجلاس میں "پرنس فہد اسپتال دالبندین بل 2025" پر تفصیلی غور کیا گیا، جس کا مقصد دالبندین کے سرکاری اسپتال کو خود مختاری دینا ہے تاکہ اسپتال کی موثر نگرانی اور انتظام و انصرام کے ساتھ مقامی عوام کو ان کی دہلیز پر جدید طبی سہولیات فراہم کی جا سکیں۔ چیئرمین کمیٹی ڈاکٹر محمد نواز کبزئی نے اس موقع پر کہا کہ صوبائی حکومت بلوچستان کے ہر شہری کو صحت کی سہولیات فراہم کرنے کے لئے پرعزم ہے، اور یہ بل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پرنس فہد اسپتال دالبندین کو خودمختار ادارہ بنانے سے عوام کو جدید اور معیاری طبی سہولتیں مقامی سطح پر میسر آئیں گی۔ کمیٹی نے اپنی سفارشات پیش کر دیں اور طے کیا گیا کہ یہ بل آئندہ اجلاس میں ایوان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ کمیٹی نے اس بات پر اتفاق کیا کہ پرنس فہد اسپتال دالبندین بل 2025 بلوچستان کے پسماندہ اور دور افتادہ علاقوں کے لئے صحت کی سہولیات کی فراہمی میں ایک انقلابی قدم ہے جو صوبائی حکومت کے اس عزم کی عکاسی کرتا ہے کہ ہر شہری کو مساوی اور معیاری طبی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

50

کچھ رہنماؤں نے پاک سعودی عرب دفاعی معاہدے کی تفصیلات کی فراہمی کا مطالبہ کیا تھا۔ دوسری جانب دفتر خارجہ کے ذرائع کا کہنا ہے کہ سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان رواں سال 31 دسمبر سے قبل کسی بھی وقت پاکستان کا دورہ کریں گے۔ اس دورے کے دوران جہاں سعودی عرب کی طرف سے 5 ارب ڈالر سرمایہ کاری کا اعلان متوقع ہے وہیں گزشتہ سال اکتوبر میں سرمایہ کاری معاہدے آگے بڑھنے اور ان پر کام شروع ہونے کی امید بھی ہے۔

51

مکمل کیا گیا جس میں تین آسامیوں کے لیے 15 امیدواران نے کمیٹی کے روبرو اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ کمیٹی ممبران نے امیدواران کے تمام کاغذات و اسناد کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور انٹرویوز کے دوران ان کی قابلیت اور اہلیت کو جانچا۔ اس موقع پر ڈپٹی کمشنر نصیرآباد منیر احمد خان کاکڑ نے اپنے خطاب میں کہا کہ محکمہ صحت کی خالی آسامیوں کو صرف اور صرف میرٹ کی بنیاد پر پر کیا جائے گا، کسی قسم کی سفارش یا دباؤ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان آسامیوں پر متعلقہ یونین کونسل کے امیدواروں کو ہی اولین ترجیح دی جائے گی تاکہ عوام کو ان کی دہلیز پر صحت کی سہولیات میسر ہوں اور لیڈی ہیلتھ ورکرز حقیقی معنوں میں عوامی خدمت سرانجام دے سکیں۔ ڈپٹی کمشنر نے واضح کیا کہ شفافیت اور میرٹ کی بالادستی حکومت کی اولین ترجیح ہے اور اسی اصول پر عمل درآمد کرتے ہوئے محکمہ صحت میں بھرتی کا عمل مکمل کیا جا رہا ہے۔

52

صادق عمرانی تالاب سے شہریوں کو سستا اور صاف پانی فراہم کر رہے ہیں لیکن وائس چیئرمین کی شکایت پر ڈپٹی کمشنر نصیرآباد نے ان پر پابندی عائد کردی ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ بااثر شخص عوام کو پانی سے محروم رکھ کر اپنے گھر اور مہمان خانے کی پھول پاشی میں مصروف ہے، جو کہ سراسر ناانصافی ہے۔ ٹینکر مالکان نے صوبائی وزیر محمد صادق عمرانی اور ڈپٹی کمشنر نصیرآباد سے مطالبہ کیا کہ وہ اس معاملے کا فوری نوٹس لیں اور انہیں تالاب سے پانی بھرنے کی اجازت دی جائے تاکہ عوام کو ریلیف اور ان کے بچوں کا روزگار بحال ہو سکے۔

53

بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ عوامی سطح پر بیماریوں کی روک تھام اور موثر علاج یقینی بنایا جا سکے۔ انہوں نے انسٹیٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ کے عملے کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ صوبے میں بیماریوں کی تشخیص، تحقیق اور عوامی آگاہی میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ انسٹیٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ جیسے اداروں کو جدید آلات اور تربیت یافتہ عملے کی فراہمی ناگزیر ہے تاکہ عوام کو معیاری سہولیات فراہم کی جا سکیں۔ صوبائی مشیر نے کہا کہ خواتین اور بچوں کی صحت کو خصوصی اہمیت دینا نہ صرف سماجی ذمہ داری ہے بلکہ یہ ایک صحت مند اور متوازن معاشرے کی ضمانت بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت بلوچستان صحت عامہ کے نظام کو مستحکم بنانے کے لیے ہر ممکن اقدامات کر رہی ہے۔

54

افسوس کا اظہار کیا اور ہمدردی کے لیے ہندو محلہ پہنچے۔ انہوں نے ہندو برادری سے ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا کہ ہم ہر حال میں ان کے ساتھ ہیں اور انہیں کسی صورت تنہا نہیں چھوڑا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مذہب، معاشرہ اور قانون اقلیتی برادری کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ ہندو محلہ آمد پر کونسلر برج لال اور دیگر پنچایت اراکین نے ڈسٹرکٹ وائس چیئرمین کا استقبال کیا۔ اس موقع پر میر اسفندیار خان نے انتظامیہ پر زور دیا کہ چوروں کو فوری طور پر گرفتار کر کے ہندو برادری کو انصاف فراہم کیا جائے اور ان کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ انہوں نے ہندو پنچایت کو یقین دلایا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، اپنے آپ کو کبھی تنہا نہ سمجھیں، آپ کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے۔

55

انصاف کیلئے جدوجہد اور مدد کے جذبے کی نمائندگی ہے، حکومت پاکستان انسانی جان کا احترام، محفوظ رسائی اور بلا تعطل امداد کے اصولوں کی حمایت کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت پاکستان اپنے شہریوں کی واپسی کا بھرپور مطالبہ کرتی ہے، پاکستانیوں کی سلامتی، وقار اور جلد وطن واپسی کیلئے دعا گو اور کوشاں ہیں۔ واضح رہے کہ اسرائیل نے غزہ کے فلسطینیوں کیلئے امداد لے جانے والے فلوٹیلا پر دھاوا بول کر کارکنوں کو گرفتار کیا۔ قافلے میں 44 ممالک کے شہری شریک ہیں جن میں پاکستانی بھی شامل ہیں۔ قبل ازیں، وزیراعظم نے ایکس پر جاری اپنے بیان میں فلوٹیلا پر اسرائیلی افواج کے بزدلانہ حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے حراست میں لیے گئے افراد کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ فلوٹیلا میں 44 ممالک سے تعلق رکھنے والے 450 سے زائد انسانی ہمدرد کارکن شامل تھے، جن کا مقصد صرف بے بس فلسطینی عوام کے لیے امداد پہنچانا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اسرائیلی افواج نے متعدد کارکنوں کو غیر قانونی طور پر گرفتار کر لیا ہے، اور ہم ان کی سلامتی کے لیے دعا گو ہیں۔ انہوں نے گرفتار شدگان کی فوری رہائی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ انسانی ہمدردی کی امداد ہر صورت ضرورت مندوں تک پہنچنی چاہیے۔

روزنامہ
Daily ASKAR INTERNATIONAL QUETTA
MEMBER A.P.N.S
عسکر انٹرنیشنل کوئٹہ
چیف ایڈیٹر: سید فاروق شاہ
رجسٹرڈ نمبر BC-A-21

چیف ایڈیٹر و پبلشر سید فاروق شاہ نے روزنامہ عسکر انٹرنیشنل کوئٹہ کو انڈیپنڈنٹ پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر روزنامہ عسکر انٹرنیشنل آفس نمبر 315 یونیورسل کمپلیکس 3ed فلور سے شائع کیا۔ فون نمبر:۔
03318383955 0812837048

اسلامی ممالک کا سربراہی اجلاس

دوحہ میں قطر کی میزبانی میں منعقدہ اسلامی ممالک کے سربراہی اجلاس کے مشترکہ اعلامیے میں اسرائیلی جارحیت اور اس کے جنگی جرائم کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی گئی۔ اعلامیے میں اسرائیل کے خلاف قانونی چارہ جوئی شروع کرنے پر زور دیتے ہوئے اسلحے کی فراہمی معطل کرنے کی اپیل کی گئی اور عرب و مسلم رہنماؤں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ اپنے سفارتی اور معاشی تعلقات پر نظرِ ثانی کریں۔ اجلاس میں شریک سربراہانِ مملکت نے اسرائیل کی وحشیانہ جارحیت کو خطے میں اَمن کی کسی بھی کاوش اور امکان پر کاری ضرب قرار دیتے ہوئے نہ صرف قطر کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کیا بلکہ اِس کے کسی بھی ردِعمل کے اقدامات کی حمایت کا یقین بھی دلایا۔ اعلامیے میں اَمن اور سلامتی کے قیام کے لئے قطر کے کردار کو تعمیری قرار دیتے ہوئے کہا گیا کہ اسرائیلی حملے کے بعد اس نے مہذب اور دانشمندانہ موقف اپنایا، غیر جانبدار ثالثی کے مقام پر حملہ بین الاقوامی اَمن کے عمل کو نقصان پہنچاتا ہے، غزہ میں جارحیت روکنے کے لئے قطر، مصر اور امریکہ کی ثالثی کوششوں کی حمایت جاری رکھی جائے گی جبکہ اسرائیلی جارحیت کو جواز فراہم کرنے کی کوششوں اور اسرائیل کی قطر کو دوبارہ نشانہ بنانے کی دھمکیوں کو اجلاس میں شریک ممالک نے یکسر مسترد کیا۔ یاد رہے کہ دوحہ میں سعودی عرب، قطر، کویت، متحدہ عرب امارات، عمان اور بحرین پر مشتمل چھ رُکنی خلیج تعاون کونسل (جی سی سی) کا غیر معمولی اجلاس بھی ہوا جس میں سپریم کونسل نے تنظیم کی دفاعی کونسل کے مشترکہ دفاعی میکانزم اور خلیجی ڈیٹرنس کی صلاحیتوں کو فعال کرنے کے لئے ضروری انتظامی اقدامات کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ قطر کے خلاف اسرائیلی جارحیت مشترکہ خلیجی سلامتی کے علاوہ علاقائی اَمن اور استحکام کے لئے براہ راست خطرہ ہے۔ یاد رہے کہ جی سی سی نے اِس سے قبل قطر پر اسرائیلی حملے کے بعد اجتماعی سلامتی اور اتحاد کا مطالبہ کیا تھا۔ دستاویز کے مطابق کونسل میں خطے میں سلامتی اور تعاون کے لئے مشترکہ ویژن کی قرارداد بھی منظور کی گئی تھی۔ دستخط کنندگان کا کہنا تھا کہ مستقبل کے کسی بھی علاقائی انتظامات میں بین الاقوامی قانون اور اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصولوں، اچھے ہمسایہ تعلقات، خودمختاری کا احترام، ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت، حقوق اور فرائض کی برابری، ایک ریاست کی دوسری ریاست پر ترجیح کے بغیر، پُرامن طریقوں سے تنازعات کا حل شامل ہونا چاہئے۔ جی سی سی رہنماؤں نے 1967ء کے خطوط پر فلسطینی اراضی پر اسرائیل کے قبضے کو ختم کرنے اور خطے کو جوہری ہتھیاروں سے پاک کرنے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ دوحہ میں عرب و اسلامی ممالک کے ہنگامی سربراہی اجلاس میں مسلم رہنماؤں نے صیہونی جارحیت روکنے اور مشرق وسطیٰ میں امن کے لیے مسئلہ فلسطین کے منصفانہ حل پر زور دیا۔ امیر قطر شیخ تمیم بن حمد الثانی نے کہا کہ قطر نے امن کی مخلصانہ کوششیں کیں، مگر اسرائیل نے حماس قیادت کو نشانہ بنا کر مذاکراتی عمل سبوتاژ کیا اور فلسطینیوں کے خلاف نسل کشی کر کے انسانیت دشمن جرائم میں تمام حدیں پار کر لیں۔ عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل احمد ابوالغیط نے اجلاس میں کہا کہ اسرائیلی دہشت گردی نے صورتحال سنگین بنادی ہے اور عالمی برادری کو اسے جنگی جرائم پر جوابدہ بنانا ہوگا۔

بانی پی ٹی آئی کی ریاست دشمن اپروچ

مصطفی کمال پاشا

پاکستان ایک عرصے سے دہشت گردی کیخلاف جنگ جاری رکھے ہوئے ہے۔ 2001ء میں جب نائن الیون کے واقع کے بعد امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا اعلان کیا تو اس میں کسی بھی ملک کے لئے آپشن نہیں تھا۔ امریکی قیادت نے کھل کھلا کر کہا کہ اس جنگ میں یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا پھر ہمارے دشمن۔ پاکستان اپنی جغرافیائی پوزیشن کے باعث اس جنگ میں فرنٹ لائن سٹیٹ قرار پایا۔ پاکستان نے اس عالمی جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ہماری زمین، فضاء اور سمندر اس جنگ میں استعمال ہوئے۔ نیٹو اور ایساف فورسز کے لئے سپلائی لائن کراچی تا طورخم قائم ہوئی۔ بہرحال اس جنگ کے دوران ہمارے ازلی دشمن نے افغانستان میں امریکی افواج کے زیر سایہ پاکستان کے خلاف مورچہ لگایا۔ 2003ء میں یہاں خودکش حملے شروع ہوئے، ڈرون حملے سامنے آئے یہ جنگ بظاہر تو القاعدہ اور طالبان کے خلاف لڑی جا رہی تھی، لیکن بھارت نے پاکستان کے خلاف بھی مورچہ بندی کی۔ اسی دور میں پاک افغان بارڈر پر گیارہ کے قریب قونصل خانے قائم کیے گئے، جس کا مقصد پاکستان کے خلاف دہشت گردی کو منظم کرنا تھا پھر ہم نے دیکھا کہ افغانستان میں جاری جنگ پاکستان کے سرحدی علاقوں سے ہوتی ہوئی بندوبستی علاقوں تک آن پہنچی۔ بات یہاں تک ہی رہتی تو شاید ہم متاثر نہ ہوتے، یہ جنگ سلپ ہوتے ہوتے کراچی کے ساحلوں تک آن پہنچی۔ 2021ء میں امریکی افغانستان سے دم دبا کر بھاگ نکلے۔ ہم نے کابل میں طالبان کے قبضے کو جشن فتح منایا۔ ہم نے اسے اپنی فتح جانا اور ہمیں یقین ہونے لگا کہ اب ہمارے ہاں بھی اچھے دن آ گئے ہیں۔ دہشت گردی کا خاتمہ ہوگا اور ہم بھی پُرسکون ہو سکیں گے لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ طالبان نے بغیر سوچے سمجھے کسی حکمت عملی کے کابل میں جیلوں کے دروازے کھول کر مجرموں اور گرفتار شدگان کو آزاد کر دیا۔ ان آزاد کردہ لوگوں میں ٹی ٹی پی کے بہت سے دہشت گرد بھی شامل تھے جنہوں نے امریکی، نیٹو اور ایساف فورسز کے چھوڑے ہوئے جدید ہتھیاروں اور دیگر آلات پر قبضہ کر لیا اس طرح ان کی حملہ آور ہونے کی صلاحیت دو چند ہو گئی۔ پھر مستزاد یہ کہ بھارت نے انہیں اسلحہ اور مالی امداد سے مزید خطرناک بنا دیا ہے۔ پاکستان کی مسلح افواج اور ریاستی ادارے ان کے نشانے پر ہیں پاکستان تھوڑے ہی عرصے میں دو مرتبہ براہ راست بھارتی یلغار کا سامنا کر چکا ہے۔ دونوں مرتبہ ہی اسے منہ کی کھانا پڑی ہے۔ مئی میں تو پاکستان نے بھارت کے چھ رافیل گرا کر اسے شکستِ فاش سے ہمکنار کیا اس کی عالمی سطح پر سبکی ہوئی، امریکہ جو ہندوستان کو چین کے مقابلہ بڑھاوا دینے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا اسے شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ خفت اٹھانا پڑی۔ بھارت کو اپنی یہ شکست ہضم نہیں ہو رہی اس نے دہشت گردی کی جنگ میں تیزی پیدا کر دی ہے۔ 13 اور 14 ستمبر کو کے پی میں ہماری سکیورٹی فورسز نے بڑی کارروائی کرتے ہوئے 30 خوارج کو جہنم رسید کیا ہے، دہشت گردوں کی یہاں موجودگی اور دہشت گرد کارروائیوں سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ نہ صرف بھارت ایسی کارروائیوں کا سپانسر ہے بلکہ افغانستان کی زمین دہشت گردوں اور ان کی کارروائیوں کے لئے لانچنگ پیڈ کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ اسی طرح لکی مروت اور بنوں میں انٹیلی جنس پر مبنی آپریشنز کے دوران دشمن کے کئی ایجنٹوں کو جہنم واصل کیا گیا بلکہ ان کی لاشوں سے برآمد ہونے والے تھیلوں پر بھارتی این ڈی آر ایف کے نشانات نے بھارت کے مکروہ چہرے کو مزید واضح کر دیا ہے یہ اور ایسے واقعات اس بات کے ناقابل تردید ثبوت ہیں کہ بھارت ہی اس دہشت گردی کے آگے اور پیچھے ہے۔ یہ حملے اس وقت ہو رہے ہیں جب پاکستان کی مسلح افواج اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے پاکستان کے مستقبل کو محفوظ بنانے میں لگی ہوئی ہیں۔ دوسری طرف کے پی میں 12 سال سے زائد عرصے سے اقتدار کے مزے لوٹنے والی پی ٹی آئی اور اس کے بانی صوبے کے انتظامی مسائل حل کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں بات یہاں تک ہوتی تو چل جاتی۔ پی ٹی آئی کی قیادت سیاسی انتشار اور تقسیم کی سیاست کے فروغ کے ذریعے دشمن کے مذموم ایجنڈے کو تقویت دے رہی ہے۔ بانی پی ٹی آئی دہشت گردوں کے خلاف جاری آپریشن کے سخت خلاف ہیں اسے روکنے کی بات ہی نہیں کرتے، بلکہ اسے ایک ایجنڈے کے طور پر بڑھاوا دیتے میں مصروف ہیں، کبھی افغانستان کے ساتھ مذاکرات کا مشورہ دیتے ہیں۔ دہشت گردی کے بارے میں پی ٹی آئی کا ملک دشمن ایجنڈا بہت پرانا ہے 2022ء میں دہشت گردوں کی صوبے میں آبادکاری اور ان کے لئے معافی کا اعلان بانی کے ایسے غلط فیصلے ہیں جن کا خمیازہ آج ہم بھگت رہے ہیں۔ بانی پی ٹی آئی نے آج تک دہشت گردوں کے خلاف بات نہیں کی ہے ان کے ایکس اکاؤنٹ پر کبھی بھی دہشت گردی کے کسی واقع کی مذمت نہیں آئی ہے اور نہ ہی ان کے کسی صوبائی وزیر یا اہلکار نے شہداء کے جنازے میں شرکت کی اور نہ ہی کبھی تعزیت کے لئے ان کے گھر گئے یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کے پی میں گورننس کے خلاء کو چھپانے کے لئے پس پردہ ایک ہی محرک ہے کہ کسی طرح پاکستان کو دہشت گردی کے ذریعے عدم استحکام سے دوچار کر دیا جائے اور اس طرح بانی کے مذموم مقاصد کی آبیاری ہو سکے۔ ثابت ہو گیا کہ عمران خان اور ان کی پارٹی ایک انتشاری ٹولہ ہے جو صرف اور صرف پاکستان اور ریاست پاکستان کے خلاف سرگرم عمل ہیں ان کے بیرون ممالک موثر روابط ہیں یہ روابط انہیں ملک دشمن سرگرمیوں کے لئے رہنمائی، ہدایات ہی نہیں، بلکہ سرمایہ اور وسائل بھی مہیا کرتے ہیں۔ عمران خان خود جیل میں ہے لیکن ان کا ٹویٹر اکاؤنٹ کون چلا رہا ہے، ان کے بیانات، پالیسی بیانات کون جاری کرتا ہے۔ ظاہر ہے یہ جنات تو نہیں کرتے ہوں گے یہ انسان ہی ہوں گے۔ عمران خان کی ریاست دشمنی اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ہماری مسلح افواج دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کر رہی ہیں۔ عمران خان نہ صرف اس آپریشن کے خلاف ہے بلکہ اسے رکوانے کے لئے اپنے گنڈا پور کو حکم بھی دے رہے ہیں حالت یہ ہے کہ گنڈا پور صاحب اپنے آبائی گھر میں فوج کے اہلکار اور حفاظت کے بغیر جانے سے گھبراتے ہیں ان پر بھی دہشت گردوں کا خوف طاری ہے لیکن اس کے باوجود وہ بانی کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے میں لگے ہوئے ہیں۔ پاکستان ایک عرصے سے دہشت گردی کیخلاف جنگ جاری رکھے ہوئے ہے۔ 2001ء میں جب نائن الیون کے واقع کے بعد امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا اعلان کیا تو اس میں کسی بھی ملک کے لئے آپشن نہیں تھا۔ امریکی قیادت نے کھل کھلا کر کہا کہ اس جنگ میں یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا پھر ہمارے دشمن۔ پاکستان اپنی جغرافیائی پوزیشن کے باعث اس جنگ میں فرنٹ لائن سٹیٹ قرار پایا۔ پاکستان نے اس عالمی جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ہماری زمین، فضاء اور سمندر اس جنگ میں استعمال ہوئے۔ نیٹو اور ایساف فورسز کے لئے سپلائی لائن کراچی تا طورخم قائم ہوئی۔ بہرحال اس جنگ کے دوران ہمارے ازلی دشمن نے افغانستان میں امریکی افواج کے زیر سایہ پاکستان کے خلاف مورچہ لگایا۔ 2003ء میں یہاں خودکش حملے شروع ہوئے، ڈرون حملے سامنے آئے یہ جنگ بظاہر تو القاعدہ اور طالبان کے خلاف لڑی جا رہی تھی، لیکن بھارت نے پاکستان کے خلاف بھی مورچہ بندی کی۔ اسی دور میں پاک افغان بارڈر پر گیارہ کے قریب قونصل خانے قائم کیے گئے۔

آپ کا مسئلہ کیا ہے؟

نسیم شاہد

پاکستانی عوام کی خوش قسمتی یہ ہے کہ یہاں کسی کے پاس اور کچھ ہو یا نہ ہو ایک مسئلہ ضرور ہوتا ہے، کسی شاعر نے کہا تھا جب میری قبر بنی تو میں بھی صاحب جائیداد ہو گیا۔ ایک اور شاعر نے اپنی بدقسمتی کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ میری بدنیتی مجھے کوئے یار میں دو گز زمین بھی نہیں ملی، تاہم مسائل کے معاملے میں ہمارے ہاں ہر کوئی خود کفیل ہے۔ آپ کوئی امید لے کر کسی کے پاس مسئلہ سنانے جائیں تو آگے سے وہ آپ کو چار مسئلے اپنے سنا دے گا۔ پھر یہ کھینچا تانی شروع ہو جائے گی پہلے مسئلہ کون حل کراتا ہے۔ پنجابی کا ایک محاورہ ہے بندے نوں اپنی پا دیو۔ یہ تکنیک ہمارے ہاں بہت استعمال کی جاتی ہے۔ کئی بار ہم یہ سوچ کر کسی کو فون کرتے ہیں کہ وہ ہمارا مسئلہ حل کرے گا۔ وہ بڑے تحمل سے ہمارا مسئلہ سننے کے بعد کہے گا میں کوشش کرتا ہوں آپ کا مسئلہ حل ہو جائے۔ پھر ساتھ ہی اپنا ایک مسئلہ بیان کر کے نہلے پہ دہلا مارے گا آپ کسی کو کہہ کر یہ کام تو کروا دیں۔ اس کے بعد یہ نہ آپ اسے پوچھنے اور نہ وہ بتانے کے قابل رہے گا۔ یہ مسئلہ جنگ معاشرے میں ایسے ہی شروع نہیں ہوگئی۔ اس کے پیچھے کئی دہائیوں کی "محنت" شامل ہے۔ جس معاشرے میں کوئی ایسا خود کار سسٹم ہی نہ ہو جو آپ کے مسائل حل کر سکے اس معاشرے میں مسائل تو خود رو پودوں کی طرح اگتے ہیں سب سے بڑا مسئلہ تو اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب ہم کوئی بھی کام پڑے تو واقفیت یا سفارش ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ بعض دفتروں میں تو اندر جانے کے لئے بھی سفارش یا واقفیت ڈھونڈنی پڑتی ہے۔ یہ ہمارے سرکاری افسروں نے خوف و ہراس بھی کچھ زیادہ ہی پھیلا رکھا ہے، اب تو تھانوں کے دروازے بھی بند ملتے ہیں، جن کے پیچھے کھڑا سنتری پہلے پوری انکوائری کرتا ہے، کون ہے، کہاں سے آئے ہو، کیا کام ہے، اللہ کے بندو یہ تھانے تو جائے امان ہونی چاہیے اسے قلعہ بند خوف کی پناہ گاہیں بنا دیا گیا ہے۔ کوئی بات کرے تو سادہ سا جواب ملتا ہے، سکیورٹی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ ان سے کوئی نہیں پوچھتا سکیورٹی تو آپ نے عوام کو دینی ہے، خود اپنی سکیورٹی کے خوف میں کیوں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مسئلہ نہ بھی ہو تو ہم مسئلہ بنانے میں خود کفیل ہیں۔ ایک سابق پروفیسر صاحب نے فون کیا اور پوچھا کیا آپ کی ٹریفک آفس میں کوئی واقفیت ہے، میں نے کہا آپ کو کیا ضرورت ہے واقفیت کی، آپ تو خود بہت معروف ہیں۔ انہوں نے کہا یہ پاکستان ہے، یہاں معروف ہونا کافی نہیں، کوئی واقفیت یا سفارش درکار ہوتی ہے۔ میں نے کہا مسئلہ کیا ہے، کہنے لگے میں دو مرتبہ ٹریفک دفتر گیا ہوں۔ عملہ مجھے چیف ٹریفک آفیسر سے نہیں ملنے دیتا۔ کہتے ہیں میٹنگ ہو رہی ہے۔ میں نے کہا ایک کام کریں، جیسا میں کہوں کریں کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا۔ وہ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بغیر راضی ہو گئے، میں نے انہیں کہا جب آپ سی ٹی او آفس پہنچیں اور باہر کھڑا سنتری یہ کہے صاحب مصروف ہیں اندر میٹنگ ہو رہی ہے تو اسے ایک سائیڈ پر کرتے ہوئے دفتر میں داخل ہو جائیں۔ وہ کہنے لگے۔ یہ مجھے کچھ نامناسب لگ رہا ہے۔ میں نے کہا نامناسب نہیں، آپ ایک پبلک آفس میں جا رہے ہیں کسی کے گھر میں نہیں گھس رہے۔ وہ راضی ہوئے اور چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے مجھے فون کیا کہ سنتری اب روک رہا ہے میں نے کہا وہی کریں جو کہا ہے۔ وہ اسے ہٹا کر اندر چلے گئے۔ پیچھے سے سنتری بھاگتا آیا کہ سر میں نے انہیں بہت روکا ہے یہ پھر بھی اندر آ گئے ہیں۔ میں نے پروفیسر صاحب سے فون پر پوچھا اندر کا منظر کیا ہے، انہوں نے کہا سی ٹی او دوستوں کے ساتھ چائے پی رہے ہیں۔ اتفاق سے وہ میرے چھے جاننے والے تھے میں نے کہا انہیں فون دیں۔ پروفیسر صاحب نے انہیں فون پکڑایا تو میں نے کہا یہ بیسویں گریڈ کے ریٹائرڈ پروفیسر ہیں۔ تین دن سے آپ کو ملنے کی کوشش کر رہے ہیں، آپ کا عملہ یا نظام انہیں آپ تک رسائی ہی نہیں دے رہا۔ ایک عام آدمی تو آپ کے دفتر کو دیکھ ہی نہیں سکتا ہوگا۔ انہوں نے کہا میرے دروازے تو سب کے لئے کھلے رہتے ہیں یہ عملہ ہی کچھ زیادتی کر جاتا ہے۔ میں نے کہا اب ان کا مسئلہ سنیں اور حل کریں۔ تھوڑی دیر بعد پروفیسر صاحب کا فون آیا بہت خوش تھے کہ کام ہو گیا ہے۔ تو صاحبو! کچھ مسئلے ہوتے ہیں اور کچھ ہم خود بنا لیتے ہیں۔ اصل میں ہمارے ہاں حقوق کا شعور بھی نہیں ہے ہم سمجھتے ہیں جو کسی منصب پر بیٹھ گیا ہے اب وہ مختار کل ہے، اس کے آگے بولنا یا اسے ناراض کرنا آ بیل مجھے مار والی بات ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا افسر بھی کہیں نہ کہیں کسی حد میں آ جاتا ہے۔ ہم میں سے اکثر یہ نہیں جانتے کہ جس نظام کو ہم خراب کہتے ہیں، یہ نظام در حقیقت اپنے اندر بہت بڑی طاقت رکھتا ہے، بس ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ آپ کو یہ شعور ہو، کہاں آپ کے راستے میں غلط رکاوٹ ڈالی جا رہی ہے اور اس رکاوٹ کو ختم کرنے کے اس نظام میں کیا خود کار طریقہ موجود ہے۔ کبھی آپ نے غور کیا یہ پروپیگنڈہ کیوں کیا گیا ہے کہ ہمارا نظام مسائل کی آماجگاہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس نظام کو اگر آسان کر دیا گیا تو وہ کرپشن جس نے معمولی سرکاری اہلکاروں کو بھی کروڑ پتی بنا دیا ہے کیسے ہو سکے گی۔ حکومتوں نے اپنے تئیں بڑی کوشش کی کہ عوام کے مسائل ان کی دہلیز پر حل ہو جائیں انہیں مختلف ایپس، آن لائن شکایات اور شکایت درج کرانے کے لئے نمبر دیئے اس کے باوجود عوام کو اپنا حق لینے کا شعور نہیں آیا۔ وہ آج بھی ریفرنس یا سفارش ڈھونڈتے ہیں۔ پاکستان واحد ملک ہے جہاں ٹاؤٹوں کی ایک مخلوق بھی موجود ہے۔ جو ہر کام کرا دیتا ہے۔ اس مخلوق سے نجات بذات خود ایک بڑا مسئلہ ہے، یعنی ہم مسائلستان میں جی رہے ہیں۔ پاکستانی عوام کی خوش قسمتی یہ ہے کہ یہاں کسی کے پاس اور کچھ ہو یا نہ ہو ایک مسئلہ ضرور ہوتا ہے، کسی شاعر نے کہا تھا جب میری قبر بنی تو میں بھی صاحب جائیداد ہو گیا۔ ایک اور شاعر نے اپنی بدقسمتی کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ میری بدنیتی مجھے کوئے یار میں دو گز زمین بھی نہیں ملی، تاہم مسائل کے معاملے میں ہمارے ہاں ہر کوئی خود کفیل ہے۔ آپ کوئی امید لے کر کسی کے پاس مسئلہ سنانے جائیں تو آگے سے وہ آپ کو چار مسئلے اپنے سنا دے گا۔ پھر یہ کھینچا تانی شروع ہو جائے گی پہلے مسئلہ کون حل کراتا ہے۔ پنجابی کا ایک محاورہ ہے بندے نوں اپنی پا دیو۔ یہ تکنیک ہمارے ہاں بہت استعمال کی جاتی ہے۔ کئی بار ہم یہ سوچ کر کسی کو فون کرتے ہیں کہ وہ ہمارا مسئلہ حل کرے گا۔ وہ بڑے تحمل سے ہمارا مسئلہ سننے کے بعد کہے گا میں کوشش کرتا ہوں آپ کا مسئلہ حل ہو جائے۔ پھر ساتھ ہی اپنا ایک مسئلہ بیان کر کے نہلے پہ دہلا مارے گا آپ کسی کو کہہ کر یہ کام تو کروا دیں۔ اس کے بعد یہ نہ آپ اسے پوچھنے اور نہ وہ بتانے کے قابل رہے گا۔ یہ مسئلہ جنگ معاشرے میں ایسے ہی شروع نہیں ہوگئی۔ اس کے پیچھے کئی دہائیوں کی "محنت" شامل ہے۔ جس معاشرے میں کوئی ایسا خود کار سسٹم ہی نہ ہو جو آپ کے مسائل حل کر سکے اس معاشرے میں مسائل تو خود رو پودوں کی طرح اگتے ہیں سب سے بڑا مسئلہ تو اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب ہم کوئی بھی کام پڑے تو واقفیت یا سفارش ڈھونڈنے لگتے ہیں۔

اشک پینے کیلئے، خاک اڑانے کیلئے

ڈاکٹر سعدیہ بشیر

قومی خزانہ میں اضافہ کا تصور نیا نہیں۔ ہر حکمران کی خواہش رہی ہے کہ اس کے دور میں قومی خزانہ یا بیت المال بھرا رہے اور اس پر باز پرس بھی نہ ہو یا دوسرے الفاظ میں قوم کا خزانہ ایسی سلیمانی چادر سے ڈھانپ دیا جائے جو کسی کو نظر نہ آ سکے۔ ایسے میں بھک منگے عوام کی نظر لگ گئی اور کھل کھیلنے کا موقع ضائع ہو گیا تو؟ اور پھر یہ عوام جو ذرا سی مہنگائی پر طوفان اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بے صبری قوم!!! حکمرانوں کی باری میں وقفہ ممکن نہیں۔ خزانے پہ سانپ بھی مقرر ہیں اور بلی بھی دودھ کی رکھوالی پہ بیٹھی ہے۔ بیسیوں کمیٹیاں سوچ بچار میں دن رات غرق ہیں لیکن عوام کے مسائل کا انبار تو گویا محمد حسین آزاد کے الفاظ میں گناہوں کی گٹھڑی کی طرح بڑھتے چلے جا رہا ہے۔ حکومت کی خواہش ہے قوم ایثار کی طرح ڈالے اور اپنی ایک ایک روٹی کم کر کے قومی خزانہ میں جمع کروایا کرے۔ اب صورت حال کچھ یوں ہے کہ ضدی عوام کی بھوک پسلیوں میں اور خواص کی بھوک آنکھوں میں اتر آئی ہے چنانچہ فیصلہ صادر کیا گیا ہے کہ عوام کے اعضا پر بھی ٹیکس واجب کیا جائے اور سرکاری مشینری پسلیاں گنتے گنتے گردے اور پھیپڑے بھی پسلیوں میں شمار کرنے لگے ہیں تاکہ زیادہ ٹیکس وصولا جا سکے۔ خزانہ وہ زنبیل ہے جو بھرتا ہی نہیں ہر بادشاہ نے تو یہ مثال نہیں سنی ہو گی جو دانا وزیر نے ٹیکس کی وضاحت کے لیے بادشاہ کی تشویش پر اسے سمجھائی تھی۔ وزیر نے برف کا ٹکڑا سب سے آخر میں بیٹھے عہدہ دار کے ہاتھ میں دیا اور باری باری سب کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا برف کا ٹکڑا بادشاہ تک ایک قطرہ پانی کی صورت میں ہی پہنچ سکا۔ سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ جب سے جلتا شہر بچانے کے لیے آنکھ کے آنسو کی تمثیل استعمال کی گئی ہے۔ ارباب اختیار نے آنسوؤں کو بھی فائر بریگیڈ کا ذیلی محکمہ گردانتے ہوئے ان پر ٹیکس کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا ہے۔ عرصہ دراز سے بندر بانٹ کی کہانی اور بلیوں کی محرومی کہانی بھی ہے اور حقیقت بھی۔ کہانی ہمیشہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک خواص کی کہانی جسے حقیقت نہیں ثابت کیا جا سکتا اور ایک عام کہانی جو صدیوں سے کردار تبدیل کرتی ہے لیکن اس کہانی کا سفر جاری ہے۔ بلی کے سات گھر بدلنے کی روایت جیسی کہانی۔ بلی بھلے شیر کی خالہ کہلائے لیکن بندر بانٹ میں مات کھا جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سرکاری ملازمت کے لیے کبھی عمر کی حد طے کی جاتی ہے، کبھی تعلیم کی قید اور کہیں سفارش کے پہیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن سرکار چلانے کے لیے کوئی شرط نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ پانچ سال کے لیے آنے والے زندگی بھر کے لیے سہولیات کا بل پاس کروا کے جاتے ہیں اور عمر بھر کے لیے سر جھکا کر سرکار کی بیگار بھگتنے والوں کے لیے لاٹری کے ٹکٹ جیتنے والے ہنوز طے کر رہے ہیں کہ ان کی خدمات کا صلہ دیا جائے یا روک لیا جائے یعنی مار دیا جائے یا چھوڑ دیا جائے اور یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مختصر مدت کے لیے منتخب ارکان کو یہ اجازت کون دیتا ہے کہ وہ بنیاد ہلا کر چلے جائیں۔ عوام کا پیسہ حکومت کے پاس امانت ہے۔ اس کا درست استعمال مغربی ممالک میں نظر آتا ہے۔ جیسا کہ سویڈن میں عوام سے ٹیکس کی شرح دنیا کی بلند ترین شرحوں میں شمار ہوتی ہے لیکن وہاں کے لوگ خوشی سے ٹیکس ادا کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ رقم تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ اور سماجی فلاح پر خرچ ہوگی۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہاں ہر شہری کو مفت تعلیم، عالمی معیار کی طبی سہولیات اور بے روزگاری کی صورت میں حکومتی وظیفہ ملتا ہے۔ جرمنی کی حکومت قومی خزانے کو صنعتی ترقی اور عوامی سہولیات پر خرچ کرتی ہے۔ اس ملک نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد تباہی سے دوبارہ کھڑے ہونے کے لیے قومی خزانے کا زیادہ تر حصہ تعلیم، تحقیق اور ٹیکنالوجی پر لگایا۔ آج جرمنی دنیا کی سب سے بڑی معیشتوں میں شامل ہے اور عوام کو بہترین سہولیات میسر ہیں۔ برطانیہ میں نیشنل ہیلتھ سروس (NHS) عوام کو مفت طبی سہولیات فراہم کرتی ہے۔ یہ تمام سہولتیں عوام کے ٹیکس سے چلتی ہیں۔ دوسری طرف ہمارے یہاں تنخواہ دار طبقہ میں بے محکمہ جات شامل ہیں۔ وہ بھی جو نوٹ خود ہی چھاپ لیتے ہیں اور وہ بھی جو محنت مشقت اور زندگی داؤ پر لگا کر بھی حلال کمائی کی تصدیق کے منتظر ہیں۔ وہ بھی جو اپنی سو صد ایگریمنٹ پر خود ہی مہر لگا لیتے ہیں اور وہ بھی جو بلیوں کی طرح اپنی روٹی بھی گنوا رہے ہیں۔ بندر بانٹ کی کہانی سچ ہے، سو فی صد اور کڑوا سچ۔ قومی خزانے کی تقسیم کے معاملات کو ہمیشہ عوام کی نظروں سے اوجھل رکھا گیا ہے۔ ہم صرف کہانیاں سننے والے ہیں۔

ایک جزیرہ اس کے آگے پیچھے سات سمندر سات سمندر پار بستا ہے ایک خزانہ ہے تنخواہ دار طبقہ اس مرتبہ بھی حکومت کی جانب دیکھ رہا ہے لیکن واپسی پر جواب نفی میں ہی ہوگا۔ استاد سیاست کی نذر ہو رہے ہیں۔ بھلے سے وہ نسل کی تربیت کریں لیکن سیاست میں بندر بانٹ ہی چلتی ہے اور چلتی رہے گی۔ افتخار عارف کے اشعار میں۔

کن زمینوں پہ اتارو گے اب امداد کا قہر
کون سا شہر اجاڑو گے بسانے کے لیے
نفرتیں بیچنے والوں کی بھی مجبوری ہے
مال تو چاہیے دوکان چلانے کے لیے

قومی خزانہ میں اضافہ کا تصور نیا نہیں۔ ہر حکمران کی خواہش رہی ہے کہ اس کے دور میں قومی خزانہ یا بیت المال بھرا رہے اور اس پر باز پرس بھی نہ ہو یا دوسرے الفاظ میں قوم کا خزانہ ایسی سلیمانی چادر سے ڈھانپ دیا جائے جو کسی کو نظر نہ آ سکے۔ ایسے میں بھک منگے عوام کی نظر لگ گئی اور کھل کھیلنے کا موقع ضائع ہو گیا تو؟ اور پھر یہ عوام جو ذرا سی مہنگائی پر طوفان اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بے صبری قوم!!! حکمرانوں کی باری میں وقفہ ممکن نہیں۔ خزانے پہ سانپ بھی مقرر ہیں اور بلی بھی دودھ کی رکھوالی پہ بیٹھی ہے۔ بیسیوں کمیٹیاں سوچ بچار میں دن رات غرق ہیں لیکن عوام کے مسائل کا انبار تو گویا محمد حسین آزاد کے الفاظ میں گناہوں کی گٹھڑی کی طرح بڑھتے چلے جا رہا ہے۔ حکومت کی خواہش ہے قوم ایثار کی طرح ڈالے اور اپنی ایک ایک روٹی کم کر کے قومی خزانہ میں جمع کروایا کرے۔ اب صورت حال کچھ یوں ہے کہ ضدی عوام کی بھوک پسلیوں میں اور خواص کی بھوک آنکھوں میں اتر آئی ہے چنانچہ فیصلہ صادر کیا گیا ہے کہ عوام کے اعضا پر بھی ٹیکس واجب کیا جائے اور سرکاری مشینری پسلیاں گنتے گنتے گردے اور پھیپڑے بھی پسلیوں میں شمار کرنے لگے ہیں تاکہ زیادہ ٹیکس وصولا جا سکے۔ خزانہ وہ زنبیل ہے جو بھرتا ہی نہیں ہر بادشاہ نے تو یہ مثال نہیں سنی ہو گی جو دانا وزیر نے ٹیکس کی وضاحت کے لیے بادشاہ کی تشویش پر اسے سمجھائی تھی۔ وزیر نے برف کا ٹکڑا سب سے آخر میں بیٹھے عہدہ دار کے ہاتھ میں دیا اور باری باری سب کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا برف کا ٹکڑا بادشاہ تک ایک قطرہ پانی کی صورت میں ہی پہنچ سکا۔ سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ جب سے جلتا شہر بچانے کے لیے آنکھ کے آنسو کی تمثیل استعمال کی گئی ہے۔ ارباب اختیار نے آنسوؤں کو بھی فائر بریگیڈ کا ذیلی محکمہ گردانتے ہوئے ان پر ٹیکس کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا ہے۔ عرصہ دراز سے بندر بانٹ کی کہانی اور بلیوں کی محرومی کہانی بھی ہے اور حقیقت بھی۔ کہانی ہمیشہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک خواص کی کہانی جسے حقیقت نہیں ثابت کیا جا سکتا اور ایک عام کہانی جو صدیوں سے کردار تبدیل کرتی ہے لیکن اس کہانی کا سفر جاری ہے۔ بلی کے سات گھر بدلنے کی روایت جیسی کہانی۔ بلی بھلے شیر کی خالہ کہلائے لیکن بندر بانٹ میں مات کھا جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سرکاری ملازمت کے لیے کبھی عمر کی حد طے کی جاتی ہے، کبھی تعلیم کی قید اور کہیں سفارش کے پہیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن سرکار چلانے کے لیے کوئی شرط نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ پانچ سال کے لیے آنے والے زندگی بھر کے لیے سہولیات کا بل پاس کروا کے جاتے ہیں اور عمر بھر کے لیے سر جھکا کر سرکار کی بیگار بھگتنے والوں کے لیے لاٹری کے ٹکٹ جیتنے والے ہنوز طے کر رہے ہیں کہ ان کی خدمات کا صلہ دیا جائے یا روک لیا جائے یعنی مار دیا جائے یا چھوڑ دیا جائے اور یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مختصر مدت کے لیے منتخب ارکان کو یہ اجازت کون دیتا ہے کہ وہ بنیاد ہلا کر چلے جائیں۔ عوام کا پیسہ حکومت کے پاس امانت ہے۔ اس کا درست استعمال مغربی ممالک میں نظر آتا ہے۔ جیسا کہ سویڈن میں عوام سے ٹیکس کی شرح دنیا کی بلند ترین شرحوں میں شمار ہوتی ہے لیکن وہاں کے لوگ خوشی سے ٹیکس ادا کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ رقم تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ اور سماجی فلاح پر خرچ ہوگی۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہاں ہر شہری کو مفت تعلیم، عالمی معیار کی طبی سہولیات اور بے روزگاری کی صورت میں حکومتی وظیفہ ملتا ہے۔ جرمنی کی حکومت قومی خزانے کو صنعتی ترقی اور عوامی سہولیات پر خرچ کرتی ہے۔ اس ملک نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد تباہی سے دوبارہ کھڑے ہونے کے لیے قومی خزانے کا زیادہ تر حصہ تعلیم، تحقیق اور ٹیکنالوجی پر لگایا۔ آج جرمنی دنیا کی سب سے بڑی معیشتوں میں شامل ہے۔

کیا شیطان بھی مایوس ہے؟

ڈاکٹر سیف اللہ بھٹی

لگتا ہے ہمارے دوست شیطان سے مایوس ہو گئے ہیں لیکن یہ اہم بات نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ کیا شیطان بھی ان سے مایوس ہے"؟ ہارون صاحب کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے سب کو چونکا دیا۔ وٹو صاحب نے وضاحت کی استدعا کی۔ ہارون صاحب نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا: آپ جانتے ہیں، میں نے ہمیشہ اصولوں کی سیاست کی ہے۔ میرے بھائی اور دیگر رشتے دار سروسز میں ہیں، اہل علاقہ ہمیشہ ہمارے پاس مختلف مسائل کے حل کے لیے آتے رہتے ہیں۔ کمشنر صاحب، ڈی سی صاحب، آر پی او صاحب، ڈی پی او صاحب مہربانی کرتے ہیں، آپ کو پتہ ہے کہ میرے بڑے بھائی بالکل دنیا دار نہیں ہیں، سیدھی کھری بات کرتے ہیں۔ کل ہم لوگ ڈیرے پر بیٹھے تھے، ایک سرکاری اہلکار تشریف لائے، ہمارا پرانا خاندانی تعلق ہے، کہنے لگے کہ مجھے ٹرانسفر کر دیا ہے، میرا ٹرانسفر کینسل کروائیں، اچھی خاصی سیٹ پر تھا جہاں اب لگایا ہے وہاں تو گزارا بھی نہیں ہوگا۔ میں نے پوچھا، کب ہوا ہے ٹرانسفر؟ جواب ملا: آج ہی ہوا ہے۔ بھائی نے پوچھا: کتنا عرصہ آپ اس سیٹ پر رہے ہیں"۔ بتایا گیا:-" دو سال۔ بھائی کہنے لگے: کم از کم دو سال آپ کو حوصلہ کرنا چاہیے، شیطان سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ نے سوچ ہی لیا ہے کہ آپ نے اوپر کی کمائی والی سیٹوں پر لگنا ہے تو شیطان سے توقع رکھیں، وہ دو سال بھی موجود ہوگا۔ اتنا ہی ایکٹو ہوگا۔ شیطان قطعاً آپ سے مایوس نہیں، شیطان کا پسندیدہ کام انسان کو حرام کی طرف مائل کرنا ہے، انسان کی گناہ کے کاموں میں مدد کرنا ہے۔ شیطان نے مہلت لی ہوئی ہے، اسے قیامت تک مہلت دی گئی ہے۔ شیطان انسان کی طرح وقت ضائع نہیں کرتا، شیطان کا انسان سے شریکا ہے، وہ شریکا نبھانے کے لیے دن رات محنت کر رہا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم شیطان کو مایوس کرتے، شیطان ہم سے مایوس ہو جاتا۔ فرمان کا مفہوم ہے کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس کی کھل کر عام پوجا کی جائے گی لیکن وہ ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو بہکانا چاہتا ہے۔ ہم چند دن بھی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتے۔ ہم اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں جبکہ ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ مایوسی کفر ہے۔ نجانے کیوں ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ حلال میں گزارا نہیں ہو سکتا۔ کبھی ہم نے چند دن بھی کوشش نہیں کی کہ تجربہ کر کے ہی دیکھا جائے، شیطان سے لڑنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے مگر ہم شیطان کی بجائے ہر اس انسان سے لڑنے کی کوشش کرتے ہیں جو ہمیں راہ راست پر لانا چاہتا ہے۔ وٹو صاحب کہنے لگے: بھائی کی باتوں نے ہمارے دوست پر قطعاً کوئی اثر نہ ڈالا۔ وہ ناراض ہو گیا۔ کہنے لگا: کام کے لیے آیا ہوں، نصیحتیں کرنے والے اور بہت ہیں۔ میں کل سے سوچ رہا ہوں کہ ہمارے ہاں پہلے بھی تمام لوگ فرشتے نہیں تھے لیکن شاید لالچ کا یہ عالم بھی نہیں تھا۔ لوگ ملے جلے اعمال کرتے تھے۔ چھوٹے موٹے معاملے چلتے رہتے تھے۔ دفاتر میں لوگ ہر کسی کو موقع دیتے تھے۔ لالچی نہیں تھے، خود غرض نہیں تھے۔ چھوٹی موٹی چوریاں کرتے تھے، ڈکیت نہیں تھے۔ معاشرے میں مار دھاڑ کا احساس نہیں ہوتا تھا، بے چینی نہیں تھی، اب تو لگتا ہے کسی کو کل کی فکر ہے نہ پرواہ، کئی لوگ تو آج ہی سب کچھ سمیٹ لینا چاہتے ہیں۔ کہا تو بھائی نے ٹھیک کہ شیطان موجود ہے۔ شیطان کی مہلت ابھی ختم نہیں ہو رہی۔ شیطان کی طرح انسان کو بھی مہلت دی گئی ہے۔ انسان کی مہلت ختم ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ المیہ ہے کہ انسان شیطان کو مایوس نہ کرے اور خود رحمان کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے سے پیار ہے اور بے انتہا پیار ہے۔ رب کائنات اپنے ارضی خلیفہ سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ ستر کا عدد تو کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کرنے سے پہلے ہی عرش پر لکھ دیا تھا کہ اللہ کی رحمت اللہ کے غضب پر غالب رہے گی۔ کسی انسان کو اپنی قیمتی ترین کھوئی ہوئی شے کے ملنے سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی اللہ کو اپنے بندے کے توبہ کرنے سے ہوتی ہے۔ توبہ مکمل عبادت ہے، انسان کو شیطان پر فضیلت توبہ کی برکت سے ہے۔ توبہ اگر خلوص نیت سے کی جائے، اور توبہ ہوتی ہی خلوص نیت سے ہے، خلوص نیت کے بغیر توبہ کا کوئی تصور نہیں، تو توبہ کرنے والے کا رتبہ بلند کر دیا جاتا ہے۔ ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو توبہ کرنے کی ترغیب دیتا رہا ہے۔ آج کی دنیا میں تین ابراہیمی مذاہب موجود ہیں۔ تینوں کے پاس اپنی اپنی الہامی کتاب ہے اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری کتاب اور ہمارے پیغمبر کا اسوہ خالق کائنات نے محفوظ رکھنے کا ذمہ خود لیا ہے۔ ہر مذہب میں تصوف کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ اسلامی تصوف شریعت کی بنیاد پر قائم ہے۔ تصوف توبہ کی ترغیب دیتا ہے۔ صوفی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔ علمائے اسلام کے مطابق مایوسی کفر ہے۔ جدید تہذیب میں معذرت کرنے کی بڑی اہمیت ہے حالانکہ کوئی اچھی بات ایسی نہیں کہ جس کی ترغیب ہمیں ہمارا مذہب نہ دیتا ہو۔ کتب سیرت میں مرقوم ہے کہ اللہ کے محبوب اور آخری نبی نے تمام عمر کسی بھی شخص کو کبھی بھی نام لے کر شرمندہ نہیں کیا۔ مسلمان بھائی کو مسکرا کر ملنا صدقہ ہے، کسی بھی انسان کو خندہ پیشانی سے ملنا سنت نبوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور آخری نبی کثرت سے استغفار کرتے تھے۔ ہمیں استغفار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیئے! توبہ کریں، اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہوں، ہمیشہ شیطان کو مایوس کریں، شیطان کو مایوس کرنا ہر انسان کا بنیادی فریضہ ہے۔ لگتا ہے ہمارے دوست شیطان سے مایوس ہو گئے ہیں لیکن یہ اہم بات نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ کیا شیطان بھی ان سے مایوس ہے"؟ ہارون صاحب کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے سب کو چونکا دیا۔ وٹو صاحب نے وضاحت کی استدعا کی۔ ہارون صاحب نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا: آپ جانتے ہیں، میں نے ہمیشہ اصولوں کی سیاست کی ہے۔ میرے بھائی اور دیگر رشتے دار سروسز میں ہیں، اہل علاقہ ہمیشہ ہمارے پاس مختلف مسائل کے حل کے لیے آتے رہتے ہیں۔ کمشنر صاحب، ڈی سی صاحب، آر پی او صاحب، ڈی پی او صاحب مہربانی کرتے ہیں، آپ کو پتہ ہے کہ میرے بڑے بھائی بالکل دنیا دار نہیں ہیں، سیدھی کھری بات کرتے ہیں۔ کل ہم لوگ ڈیرے پر بیٹھے تھے، ایک سرکاری اہلکار تشریف لائے، ہمارا پرانا خاندانی تعلق ہے، کہنے لگے کہ مجھے ٹرانسفر کر دیا ہے، میرا ٹرانسفر کینسل کروائیں، اچھی خاصی سیٹ پر تھا جہاں اب لگایا ہے وہاں تو گزارا بھی نہیں ہو گا۔ میں نے پوچھا، کب ہوا ہے ٹرانسفر؟ جواب ملا: آج ہی ہوا ہے۔ بھائی نے پوچھا: کتنا عرصہ آپ اس سیٹ پر رہے ہیں"۔ بتایا گیا:-" دو سال۔ بھائی کہنے لگے: کم از کم دو سال آپ کو حوصلہ کرنا چاہیے، شیطان سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ نے سوچ ہی لیا ہے کہ آپ نے اوپر کی کمائی والی سیٹوں پر لگنا ہے تو شیطان سے توقع رکھیں، وہ دو سال بھی موجود ہوگا۔ اتنا ہی ایکٹو ہوگا۔ شیطان قطعاً آپ سے مایوس نہیں، شیطان کا پسندیدہ کام انسان کو حرام کی طرف مائل کرنا ہے، انسان کی گناہ کے کاموں میں مدد کرنا ہے۔ شیطان نے مہلت لی ہوئی ہے، اسے قیامت تک مہلت دی گئی ہے۔ شیطان انسان کی طرح وقت ضائع نہیں کرتا، شیطان کا انسان سے شریکا ہے، وہ شریکا نبھانے کے لیے دن رات محنت کر رہا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم شیطان کو مایوس کرتے، شیطان ہم سے مایوس ہو جاتا۔ فرمان کا مفہوم ہے کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس کی کھل کر عام پوجا کی جائے گی لیکن وہ ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو بہکانا چاہتا ہے۔ ہم چند دن بھی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتے۔ ہم اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں جبکہ ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ مایوسی کفر ہے۔ نجانے کیوں ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ حلال میں گزارا نہیں ہو سکتا۔ کبھی ہم نے چند دن بھی کوشش نہیں کی کہ تجربہ کر کے ہی دیکھا جائے، شیطان سے لڑنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے مگر ہم شیطان کی بجائے ہر اس انسان سے لڑنے کی کوشش کرتے ہیں جو ہمیں راہ راست پر لانا چاہتا ہے۔ وٹو صاحب کہنے لگے: بھائی کی باتوں نے ہمارے دوست پر قطعاً کوئی اثر نہ ڈالا۔ وہ ناراض ہو گیا۔ کہنے لگا: کام کے لیے آیا ہوں، نصیحتیں کرنے والے اور بہت ہیں۔ میں کل سے سوچ رہا ہوں کہ ہمارے ہاں پہلے بھی تمام لوگ فرشتے نہیں تھے لیکن شاید لالچ کا یہ عالم بھی نہیں تھا۔ لوگ ملے جلے اعمال کرتے تھے۔ چھوٹے موٹے معاملے چلتے رہتے تھے۔ دفاتر میں لوگ ہر کسی کو موقع دیتے تھے۔ لالچی نہیں تھے، خود غرض نہیں تھے۔ چھوٹی موٹی چوریاں کرتے تھے، ڈکیت نہیں تھے۔ معاشرے میں مار دھاڑ کا احساس نہیں ہوتا تھا، بے چینی نہیں تھی، اب تو لگتا ہے کسی کو کل کی فکر ہے نہ پرواہ، کئی لوگ تو آج ہی سب کچھ سمیٹ لینا چاہتے ہیں۔ کہا تو بھائی نے ٹھیک کہ شیطان موجود ہے۔ شیطان کی مہلت ابھی ختم نہیں ہو رہی۔ شیطان کی طرح انسان کو بھی مہلت دی گئی ہے۔ انسان کی مہلت ختم ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ المیہ ہے کہ انسان شیطان کو مایوس نہ کرے اور خود رحمان کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔

لوکل نیوز
LOCAL NEWS

Daily ASKAR INTERNATIONAL QUETTA
MEMBER A.P.N.S
روزنامہ عسکر انٹرنیشنل کوئٹہ
چیف ایڈیٹر: سید فاروق شاہ
رجسٹرڈ نمبر BC-A-21

بلوچستان امن بدامنی ترقی کے منازل طے کر رہا ہے، صادق عمرانی

بلوچستان کے عوام، حکومت اور امن و امان قائم کرنے والے ادارے صوبے میں قیام امن اور تعمیر و ترقی کے لیے مشترکہ کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں

موجودہ صوبائی حکومت بلوچستان میں امن و امان کے قیام اور درپیش مسائل کے حل کے لیے ٹھوس اقدامات کر رہی ہے، صوبائی وزیر آب پاشی

کوئٹہ (خ ن) بلوچستان کے سینئر صوبائی وزیر، پیپلز پارٹی کے سینٹرل کمیٹی کے رکن و پارلیمانی لیڈر اور صوبائی وزیر آبپاشی میر محمد صادق عمرانی نے گزشتہ دنوں منگل کے روز کوئٹہ شہر کے علاقے ماڈل ٹاؤن ایف سی ہیڈ کوارٹر کے قریب بم حملہ اور تخریبی کارروائی کے دوران سیکیورٹی فورسز اور خصوصاً ایف سی کے جوانوں کی بروقت اور موثر (باقی صفحہ 2 نمبر 35)

تربت، رکن بلوچستان اسمبلی ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کیچ کلچر فیسٹول کے موقع پر خواتین اسٹال کا معائنہ کر رہے ہیں

اسرائیلی جارحیت کا موثر سدِ باب طاقت سے ہی ممکن ہے، آغا سید حسین مقدسی

حکومتِ پاکستان اس معاملے میں اپنے شہریوں کے حقوق کا نوٹس لے تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ پاکستان

کوئٹہ (یو این اے) تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ پاکستان کے سربراہ علامہ آغا سید حسین مقدسی نے کہا ہے کہ مسئلہ فلسطین کے متعلق قائداعظم کے اصولی موقف پر قائم رہنا قومی وقار کے تحفظ کا راستہ ہے اور استعماری قوتوں سے امن کی بھیک مانگنے کے (باقی صفحہ 2 نمبر 40)

ژوب، جمعیت علمائے اسلام ف کے مولوی مرنوش کبزئی بلا مقابلہ ڈسٹرکٹ چیئرمین منتخب

ژوب (یو این اے) ژوب میں بلدیاتی انتخابات کے سلسلے میں اہم پیش رفت سامنے آئی ہے، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے امیدوار مولوی مرنوش کبزئی (باقی صفحہ 2 نمبر 39)

بیلا، چالیس سالہ اقتدار والوں کو میر علی حسن زہری کی عوامی مقبولیت ہضم نہیں ہو رہی، مشتاق گلاب

میر علی حسن زہری نے دو سالوں میں عوام کے مسائل کا ازالہ کر کے عملی خدمت کی ہے، پیپلز پارٹی رہنما

بیلا (یو این اے) پاکستان پیپلز پارٹی لسبیلا کے ضلعی سینئر نائب صدر مشتاق گلاب نے کہا ہے کہ چالیس سال تک اقتدار پر قابض رہنے والے آج میر علی حسن زہری کی عوامی پذیرائی اور دو سالہ شاندار کارکردگی سے بوکھلاہٹ کا شکار ہیں۔ انہوں نے (باقی صفحہ 2 نمبر 38)

ژوب، جے یو آئی امیدوار مولوی مرنوش شمشاد کبزئی بلا مقابلہ ضلع کونسل چیئرمین منتخب

ژوب (یو این اے) ضلع کونسل ژوب کے ضمنی انتخابات پرامن طور پر مکمل ہوگئے، جمعیت علمائے اسلام (ف) اور عوامی نیشنل پارٹی کے اتحادی امیدوار مولوی (باقی صفحہ 2 نمبر 37)

بابا غلام رسول عمرانی کی قیادت پر مکمل اعتماد ہے، میر عابد علی

عوام دوست رہنما ءرات روزگار، تعلیم اور ترقی کے مواقع فراہم کرنے میں سرگرم ہیں، سیاسی و سماجی رہنما

باباکوٹ (یو این اے) باباکوٹ کے سیاسی و سماجی رہنما میر عابد علی صوبھانی نے کہا ہے کہ ہمیں اپنے صوبائی مشیر برائے لیبر اینڈ مین پاور بیرسٹر چیف سردار بابا غلام رسول خان عمرانی کی قیادت پر مکمل اعتماد اور فخر ہے۔ انہوں نے کہا کہ سردار عمرانی ایک (باقی صفحہ 2 نمبر 36)

کوئٹہ، گورنر بلوچستان جعفر خان مندوخیل سے پارلیمانی سیکریٹری برکت علی رند ملاقات کر رہے ہیں

گورنر بلوچستان: کوئٹہ شہر میں پانی صفائی سمیت کافی مسائل حل طلب ہیں

بدقسمتی سے کوئٹہ شہر میں پانی کی سطح خطرناک حد تک گر چکی ہے، ہزار فٹ سے پانی نکالا جا رہا ہے جو کہ تشویشناک ہے

واش پروگرام کا مقصد پانی اور صفائی سمیت زندگی کی دیگر بنیادی ضروریات فراہم کرنا ہے، جعفر خان مندوخیل

کوئٹہ (جی این ایم) گورنر بلوچستان جعفر مندوخیل نے کہا ہے کہ واش پروگرام کا مقصد پانی اور صفائی سمیت زندگی کی دیگر بنیادی ضروریات فراہم کرنا ہے، ہم بلوچستان کے ہر خاندان تک ان سہولیات کی رسائی ممکن بنانے کے لیے کوشاں ہیں، کوئٹہ میں زیر زمین پانی کی سطح خطرناک حد تک گر چکی ہے، پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیمز کی اشد ضرورت ہے، 10 سالہ منصوبے کی حکومت بلوچستان مکمل حمایت کرے گی۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے واٹر اینڈ سینیٹیشن (واش) پروگرام کے افتتاح کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے کیا۔ گورنر مندوخیل نے کہا کہ اس منصوبے سے بلوچستان کے عوام کو بھرپور فائدہ ملے گا۔ انہوں نے کہا کہ موسمیاتی تبدیلی سے پورا بلوچستان متاثر ہے، اس سے نمٹنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جا رہے ہیں، موسمیاتی تبدیلی کے حوالے سے عوام سمیت ہم سب کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور اپنے لوگوں میں شعور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ کوئٹہ شہر میں پانی، صفائی سمیت کافی مسائل حل طلب ہیں، بدقسمتی سے کوئٹہ شہر میں پانی کی سطح خطرناک حد تک گر چکی ہے، ہزار فٹ سے پانی نکالا جا رہا ہے جو کہ تشویشناک ہے، پانی کو محفوظ بنانے کے لیے ڈیمز کی اشد ضرورت ہے، ہمارے پاس ایسے علاقے موجود ہیں جہاں انسانوں کو بھی صاف پانی میسر نہیں۔ گورنر بلوچستان جعفر مندوخیل نے کہا کہ بلوچستان میں موسمیاتی تبدیلی کے آثار واضح ہیں، صوبہ خشک سالی جیسے مسائل کا سامنا کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دس سال پہلے میرانی ڈیم سے گوادر کے لیے پانی فراہم کرنے کا منصوبہ تھا مگر کسی نے دلچسپی نہ لی، جس کی وجہ سے آج گوادر کو مشکلات کا سامنا ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ اب اس واش پروگرام سے سب کچھ بہتر ہوگا، حکومت بلوچستان یونیسف سمیت تمام ڈونرز کے ساتھ مل کر ہر منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچائے گی۔ گورنر بلوچستان جعفر مندوخیل نے کہا ہے کہ واش پروگرام کا مقصد پانی اور صفائی سمیت زندگی کی دیگر بنیادی ضروریات فراہم کرنا ہے، ہم بلوچستان کے ہر خاندان تک ان سہولیات کی رسائی ممکن بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔

دالبندین، ڈسٹرکٹ وائس چیئرمین میر اسفندیار خان کا ہندو محلّہ کا دورہ

متاثرہ خاندان سے اظہار ہمدردی اقلیتی برادری کو کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے، ان کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے، میر اسفندیار خان

دالبندین (یو این اے) سابق مشیر وزیراعلیٰ بلوچستان میر اعجاز خان سنجرانی کی ہدایت پر ڈسٹرکٹ وائس چیئرمین میر اسفندیار خان یار محمد زئی نے ہندو محلّہ دالبندین کا دورہ کیا۔ انہوں نے گزشتہ روز ہندو برادری کے گھر میں ہونے والی چوری کی واردات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے متاثرہ خاندان سے ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا کہ ہر حال میں ان کے ساتھ کھڑے ہیں اور کسی صورت انہیں تنہا نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس موقع پر میر اسفندیار خان (باقی صفحہ 2 نمبر 41)

ضلع کچھی میں امن کی بحالی ڈپٹی کمشنر کی انتھک کاوشوں کا نتیجہ ہے، ارشاد الدین

جمعہ داد مندوخیل جس خلوص، محنت اور عزم کے ساتھ امن قائم کرنے کے لیے سرگرم ہیں وہ خراجِ تحسین کے مستحق ہیں

بھاگ (نامہ نگار) جمعیت علماء اسلام ضلع کچھی کے ضلعی امیر سید محمد ارشاد الدین شاہ بخاری نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا ہے کہ ضلع کچھی میں امن و امان کی بحالی ڈپٹی کمشنر بولان کچھی کیپٹن (ر) جمعداد خان مندوخیل کی انتھک کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈپٹی کمشنر جس خلوص، محنت اور عزم کے ساتھ امن قائم کرنے کے لیے سرگرم ہیں وہ خراجِ تحسین کے مستحق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں ضلع کچھی کے بعض علاقے (باقی صفحہ 2 نمبر 42)

بی وائی سی اور ایسی تنظیمیں بی ایل اے کی نرسری ہیں، گلزار امام شمبے

کالعدم تنظیموں کے آپسی جھگڑوں میں بھی شدت پسند مارے جاتے ہیں، انٹرویو

کوئٹہ (یو این اے) کالعدم تنظیم کے سابق سربراہ گلزار امام شمبے نے قومی دھارے میں واپسی کے 2 سال بعد اے آر وائی نیوز / نجی ٹی وی کو اہم انٹرویو دیا ہے۔ کالعدم تنظیم کے سابق سربراہ گلزار امام شمبے نے کہا ہے کہ بی وائی سی اور ایسی تنظیمیں بی ایل اے کی نرسری ہیں، مختلف نوجوان طلبا تنظیموں سے بی ایل اے میں گئے ہیں اور یہ حقیقت ہے طلبا تنظیمیں بھرتی کیلئے بنائی جاتی ہیں نوجوان طالبعلموں کو عسکریت پسندی کی طرف مائل کیا جاتا ہے، (باقی صفحہ 2 نمبر 43)

دشت میں لگائے گئے ٹیوب ویلز سے سریاب کے علاقے پانی سے محروم ہیں، غلام نبی مری

کوئٹہ (اے این این) بلوچستان نیشنل پارٹی کے ممبر سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی و ضلعی صدر بی این پی کوئٹہ غلام نبی مری نے دشت کے ٹیوب ویلوں کے پانی کو کھیں اور سپلائی کرنے کی سازش پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ دشت میں جو ٹیوب ویلز لگائے گئے تھے اس کا مقصد سریاب کے علاقوں کو پانی فراہم کرنا تھا، مگر اب یہاں مین سریاب روڈ کی توڑ پھوڑ اور توسیع کے ساتھ اور ہیڈ برجز کی تعمیر کی وجہ سے پانی کے پرانے پائپ لائنز کٹ گئے ہیں جس (باقی صفحہ 2 نمبر 44)

اوستہ محمد، بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کی امدادی رقوم میں کٹوتی جاری، مستحق خواتین پریشان

کرپٹ ایجنٹس اور فرنچائز مالکان فی کس ہزار سے بارہ سو روپے تک کاٹ لیتے ہیں، متاثرہ خواتین کا شکوہ

اوستہ محمد (یو این اے) بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے تحت مستحق خواتین کو ملنے والی مالی امداد میں غیر قانونی کٹوتیوں کا سلسلہ تاحال جاری ہے جس سے نادار خاندان شدید مالی مشکلات میں مبتلا ہیں۔ متاثرہ خواتین نے بتایا کہ ایجنٹس اور بعض (باقی صفحہ 2 نمبر 45)

بی این پی نے رکن صوبائی اسمبلی میر جہانزیب مینگل کی پارٹی رکنیت دو ماہ کیلئے معطل کر دی

پارٹی پالیسیوں کی خلاف ورزی اور مائنز اینڈ منرلز ایکٹ پر موقف پیش نہ کرنے پر کارروائی، پارٹی اعلامیہ

کوئٹہ (یو این اے) بلوچستان نیشنل پارٹی کے مرکزی اعلامیہ کے مطابق پارٹی رہنما و رکن صوبائی اسمبلی میر جہانزیب مینگل کی پارٹی رکنیت دو ماہ کیلئے معطل کر دی گئی ہے۔ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ میر جہانزیب مینگل کو پہلے شوکاز نوٹس کا تسلی (باقی صفحہ 2 نمبر 46)

ڈپٹی کمشنر اوستہ محمد عبدالرزاق نجک کا اوستہ محمد پریس کلب کا دورہ

اوستہ محمد (اے این این) ڈپٹی کمشنر اوستہ محمد عبدالرزاق نجک نے اوستہ محمد پریس کلب کا دورہ کیا جبکہ انکے ہمراہ سپرنٹنڈنٹ عبدالرحمان دیناری تحصیلدار اوستہ محمد علی گوہر خان مگسی بھی موجود تھے جبکہ پریس کلب آمد پر ڈپٹی کمشنر عبدالرزاق خان نجک کی صدر پریس کلب و صحافی برادری نے کیا جبکہ انکی استہ محمد پریس کلب کے صدر علی حسن ڈومکی سمیت سینئر صحافیوں سے ملاقات کی۔ اس موقع پر انہوں نے پریس کلب کی خستہ حال عمارت (باقی صفحہ 2 نمبر 47)

گنداخہ، عوامی خدمت اور ترقی موجودہ حکومت کا وژن ہے، سردارزادہ فیصل جمالی

پسماندہ علاقوں کو سہولیات کی فراہمی، امن و ترقی کے لیے ٹھوس اقدامات جاری ہیں، صوبائی وزیر

گنداخہ (یو این اے) پاکستان پیپلز پارٹی کے سینئر رہنما اور صوبائی وزیر برائے لائیو اسٹاک سردارزادہ فیصل خان جمالی نے کہا ہے کہ صوبائی حکومت عوامی خدمت اور ترقی کے وژن کے ساتھ میدان عمل میں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت کی اولین ترجیح (باقی صفحہ 2 نمبر 48)

بلوچستان اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے صحت کا اجلاس، پرنس فہد اسپتال دالبندین بل 2025 پر غور

صوبے کے ہر شہری کو مساوی اور معیاری صحت کی سہولتیں فراہم کرنے کا عزم ہے، ڈاکٹر نواز کبزئی

کوئٹہ (یو این اے) بلوچستان اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے صحت کا اجلاس چیئرمین ڈاکٹر محمد نواز کبزئی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں کمیٹی کے اراکین ڈاکٹر ربابہ خان بلیدی، محمد صمد گورگیج، غلام دستگیر بادینی، میر زابد علی ریکی، سیکرٹری اسمبلی طاہر شاہ (باقی صفحہ 2 نمبر 49)

نصیرآباد، محکمہ صحت کی خالی آسامیوں کو پر کرنے کے لیے ڈسٹرکٹ ریکروٹمنٹ کمیٹی کا اہم اجلاس

نصیرآباد (خ ن) ضلع نصیرآباد میں محکمہ صحت کی خالی آسامیوں کو پر کرنے کے لیے ڈسٹرکٹ ریکروٹمنٹ کمیٹی کا اہم اجلاس ڈپٹی کمشنر نصیرآباد و چیئرمین کمیٹی منیر احمد خان کاکڑ کی زیر صدارت منعقد ہوا، اجلاس میں ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر ڈاکٹر عبدالمنان لانگو ڈاکٹر اعجاز علی سمیت دیگر کمیٹی اراکین شریک تھے۔ اجلاس کے دوران چارج پر تعینات لیڈی ہیلتھ ورکرز کی آسامیوں کے لیے انٹرویوز کا مرحلہ (باقی صفحہ 2 نمبر 51)

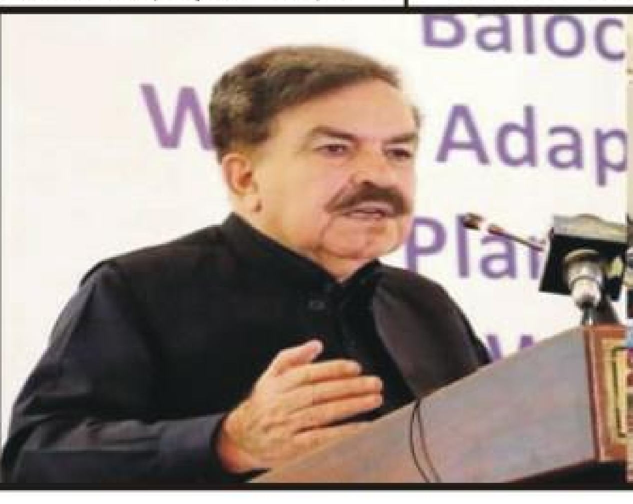

کوئٹہ، گورنر بلوچستان جعفر خان مندوخیل واٹر اینڈ سینی ٹیشن پلان کے شاندار منصوبے کی افتتاحی تقریب سے خطاب کر رہے ہیں

اسحاق ڈار آج پاک سعودی دفاعی معاہدے پر پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیں گے

اسلام آباد (جی این ایم) نائب وزیراعظم و وزیر خارجہ سینیٹر اسحاق ڈار آج (جمعہ) کو پاک سعودی دفاعی معاہدے پر پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیں گے۔ اسحاق ڈار پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو معاہدے کی تفصیلات سے آگاہ کریں گے، امریکا کے غزہ سے متعلق بیس نکاتی ایجنڈے پر پاکستان کا موقف پر ارکان کے سامنے رکھیں گے۔ پیپلز پارٹی کے (باقی صفحہ 2 نمبر 50)

مہنگائی، بیروزگاری اور بحرانوں نے عوام کی زندگی اجیرن بنا دی ہے، میر جمیل رند

ناقص پالیسیوں اور مفادات کی سیاست نے عوام کو مشکلات میں دھکیل دیا ہے، قبائلی رہنما

کوئٹہ (یو این اے) ممتاز سیاسی، سماجی اور قبائلی شخصیت میر جمیل رند نے کہا ہے کہ موجودہ دور میں عوام شدید مشکلات اور کرب میں مبتلا ہیں، مہنگائی، بیروزگاری اور بحرانوں نے عام آدمی کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ آٹے، چینی، گھی اور دیگر اشیائے ضروریہ کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں جبکہ متوسط اور غریب طبقہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہو چکا ہے۔ اپنے "وتاخ رند مسکن" میں مختلف وفود سے ملاقات کے دوران (باقی صفحہ 5 نمبر 3)

سب تحصیل کو فوری طور پر تحصیل کا درجہ دیا جائے، گریشہ کے عوام کا مطالبہ

خضدار (یو این اے) تحصیل نال ضلع خضدار کے علاقے سب تحصیل گریشہ کے عوام طویل عرصے سے درپیش مشکلات کے باوجود اب تک اس علاقے کو باقاعدہ تحصیل کا درجہ نہ ملنے پر شدید تشویش اور افسوس کا اظہار کر رہے ہیں۔ مقامی عوام کا کہنا ہے کہ گر (باقی صفحہ 5 نمبر 2)

صدام کوچ عملے کی بدسلوکی ناقابل برداشت، روٹ پرمٹ منسوخ کیا جائے، علی نواز ابڑو

مسافروں اور ضعیف العمر افراد کو اذیت میں مبتلا کرنا سراسر بدمعاشی ہے، پیپلز پارٹی سبی کے میڈیا کوآرڈینیٹر

کوئٹہ (یو این اے) پاکستان پیپلز پارٹی ضلع سبی کے میڈیا کوآرڈینیٹر علی نواز ابڑو نے کوئٹہ سے حاجی شہر چلنے والی صدام کوچ کے بداخلاق عملے کی جانب سے مسافروں خصوصاً ضعیف العمر افراد کے ساتھ بدسلوکی پر شدید الفاظ میں مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کوچ کا عملہ مسافروں کو ان کے مقررہ مقامات پر اتارنے کے بجائے بس اڈے پر اتارتا ہے، جس سے بوڑھے افراد اور خواتین کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں دوبارہ رکشوں (باقی صفحہ 5 نمبر 1)

اعجاز سنجرانی کا دالبندین میں گھر سے ہونے والی چوری کی واردات پر افسوس کا اظہار

کوئٹہ (اے این این) سابق مشیر وزیراعلیٰ بلوچستان میر اعجاز خان سنجرانی کی ہدایت پر ڈسٹرکٹ وائس چیئرمین میر اسفندیار خان یار محمد زئی نے ہندو محلّہ دالبندین کا دورہ کیا۔ انہوں نے گزشتہ روز ہندو برادری کے گھر میں ہونے والی چوری کی واردات پر (باقی صفحہ 2 نمبر 54)

ڈیرہ مراد جمالی، واٹر ٹینکر مالکان کا وائس چیئرمین شاہ محمد ہاڑا کے خلاف احتجاج

عوام کو پانی سے محروم رکھنا ناانصافی ہے، ہمیں تالاب سے پانی بھرنے دیا جائے، واٹر ٹینکر مالکان

ڈیرہ مراد جمالی (یو این اے) ڈیرہ مراد جمالی کے واٹر ٹینکر مالکان نے میونسپل کمیٹی کے وائس چیئرمین شاہ محمد ہاڑا کے خلاف شدید احتجاج ریکارڈ کراتے ہوئے الزام عائد کیا ہے کہ وہ عوامی خدمت میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ پریس کلب میں احتجاجی پریس کانفرنس کرتے ہوئے واٹر ٹینکر ایسوسی ایشن کے صدر دیدار حسین سیال، جمال الدین کھوکر، استاد رحمت اللہ لہڑی اور سلیم احمد گولہ نے کہا کہ وہ گزشتہ 20 برس سے (باقی صفحہ 2 نمبر 52)

حب ندی میں نہانے کے دوران دو نوجوان ڈوب گئے

انتظامیہ کی غفلت کے باعث حب ندی خونی ندی بن چکی ہے، متعدد قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں

حب (یو این اے) حب ندی میں نہاتے ہوئے دو نوجوان ڈوب گئے۔ مقامی غوطہ خوروں نے ایک نوجوان کو بے ہوشی کی حالت میں زندہ بچا لیا جبکہ دوسرے نوجوان کی لاش ایک گھنٹے کی جدوجہد کے بعد ایدھی رضاکاروں نے نکال لی۔ بیہوش نوجوان اور لاش کو سول ہسپتال حب منتقل کیا گیا۔ جاں بحق نوجوان کا تعلق کراچی سے بتایا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ حب ندی ماضی میں بھی متعدد نوجوانوں کی جان لے چکی ہے اور یہاں کئی بار نہانے (باقی صفحہ 5 نمبر 4)

نائب وزیراعظم سے جرمن سفیر کی ملاقات، مختلف شعبوں میں تعاون کی اہمیت پر زور

اسلام آباد (یو این اے) نائب وزیراعظم و وفاقی وزیر خارجہ سینیٹر محمد اسحاق ڈار نے جرمنی کی نئی مقررہ سفیر ایچ ای انا لیپل سے ملاقات کی جس میں دوطرفہ تعلقات پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ اس ملاقات کے دوران دونوں رہنماؤں نے دوطرفہ سیاسی، تجارتی و سرمایہ (باقی صفحہ 5 نمبر 5)

کوئٹہ، ایڈیشنل آئی جی پولیس کمانڈنٹ بی سی آغا محمد یوسف امان و امان کے حوالے سے منعقدہ جائزہ اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

مشتاق احمد خان کی اہلیہ کا شوہر کی رہائی کے لیے حکومت سے فوری اقدامات کا مطالبہ

اسلام آباد (یو این اے) غزہ تک امدادی سامان لیجانے کی کوشش میں رواں گلوبل صمود فلوٹیلا میں شامل سینکڑوں انسانی حقوق کے کارکنوں کو اسرائیلی فوج نے بین الاقوامی سمندری حدود سے گرفتار کر لیا ہے، جن میں جماعت اسلامی کے سابق (باقی صفحہ 5 نمبر 6)

صحت عامہ میں بہتری ایک صحت مند اور باشعور معاشرے کی بنیاد ہے، ڈاکٹر ربابہ بلیدی

خواتین اور بچوں کی صحت کو اولین ترجیح دی جا رہی ہے، صوبائی مشیر ترقی نسواں

کوئٹہ (یو این اے) وزیراعلیٰ بلوچستان کی مشیر برائے محکمہ ترقی نسواں ڈاکٹر ربابہ خان بلیدی نے کہا ہے کہ صحت عامہ میں بہتری صرف علاج تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک صحت مند اور باشعور معاشرے کی بنیاد ہے۔ وہ انسٹیٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ کوئٹہ کے دورے کے موقع پر مختلف شعبہ جات کے معائنے اور عملے سے ملاقات کے دوران بات چیت کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر ربابہ خان بلیدی نے کہا کہ صحت عامہ کے شعبے کو مضبوط (باقی صفحہ 2 نمبر 53)

کوئٹہ، صوبائی وزیر نور محمد دمڑ کا مسلم لیگ (ن) میں شمولیت کرنے والوں کے ہمراہ گروپ فوٹو

اوستہ محمد پولیس کی کامیاب کارروائی، کوئٹہ سے روپوش ملزم گرفتار

اوستہ محمد (یو این اے) اوستہ محمد پولیس نے کامیاب کارروائی کرتے ہوئے دھوکہ دہی کے مقدمہ میں مطلوب روپوش ملزم کو کوئٹہ سے گرفتار کر لیا۔ ایس پی اوستہ محمد حسنین وارث کی ہدایت پر ڈی ایس پی سرکل محمد داد کھوسہ کی نگرانی میں ایس ایچ او تھانہ سٹی انسپکٹر (باقی صفحہ 5 نمبر 9)

میڈیا نے پاک بھارت کشیدگی میں بھارت کا جھوٹا پروپیگنڈا بے نقاب کیا، عبدالرزاق نجک

اوستہ محمد پریس کلب کے صحافیوں نے ہمیشہ مثبت صحافت کو فروغ دیا اور عوامی مسائل اجاگر کیے، ڈی سی

اوستہ محمد (یو این اے) ڈپٹی کمشنر اوستہ محمد عبدالرزاق نجک نے کہا ہے کہ میڈیا ملک کا چوتھا ستون ہے، جس نے ہمیشہ عوامی مسائل کو اجاگر کرنے اور ان کی آواز کو ایوانوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ پاک بھارت کشیدگی کے دوران پاک فوج نے میدان میں جس جرات و بہادری کا مظاہرہ کیا، وہی کردار ملک کے میڈیا اور قلم کاروں نے بھی اپنے قلم کے ذریعے ادا کیا۔ پاکستانی میڈیا نے بھارت کے جھوٹے (باقی صفحہ 5 نمبر 8)

ڈیرہ مراد جمالی میں ایس ایچ او طالب حسین لاشاری کی جرائم کے خلاف کامیاب کارروائیاں

ڈیرہ مراد جمالی (یو این اے) پولیس تھانہ صدر ڈیرہ مراد جمالی کے ایس ایچ او طالب حسین لاشاری اپنی دلیرانہ قیادت اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے باعث علاقے میں امن و امان قائم کرنے میں نمایاں کامیاب رہے ہیں۔ ان کی قیادت میں پولیس (باقی صفحہ 5 نمبر 7)

کوئٹہ، پشتونخوا میپ کے صوبائی سینئر نائب صدر و ضلع کوئٹہ کے سیکرٹری سید شراف آغا ضلع کوئٹہ کے ضلعی کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

وفاقی محتسب کے حکم پر محمد شاہ کا آٹھ سال سے بلاک شناختی کارڈ کھلوا دیا گیا

کوئٹہ (اے این این) درخواست گزار محمد شاہ نے بتایا کہ نادرا آفس میں شناختی کارڈ رینیو کروانے گیا تو میرا شناختی کارڈ بلا کسی وجہ کے بلاک کر دیا گیا۔ تمام ڈاکومنٹس ثبوت پیش کیے لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ تاریخ پہ تاریخ دیتے نادرا آفس کے متعدد چکر لگواتے۔ آٹھ سال تک درخواست گزار کا (باقی صفحہ 5 نمبر 11)

عوام لاشیں اٹھا اٹھا کر تھک چکے ہیں، فوری امن قائم کیا جائے، پروفیسر حلیم

کسی بھی قیمت پر امن قائم کیا جائے، بدامنی نے کاروبار اور روزگار تباہ کر دیا ہے، عوام پاکستان پارٹی

کوئٹہ (یو این اے) عوام پاکستان پارٹی بلوچستان کے صوبائی جنرل سیکرٹری پروفیسر ڈاکٹر حلیم صادق نے کہا ہے کہ بلوچستان خصوصاً صوبائی دارالحکومت کوئٹہ کے عوام مسلسل دہشت گردی اور بدامنی کا شکار ہیں، لوگ لاشیں اٹھا اٹھا کر تھک چکے ہیں اور امن و سکون کے قیام کی اشد ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ حکومت اور سیکورٹی ادارے کسی بھی قیمت پر صوبے میں امن قائم کرنے کی فوری اور موثر حکمت عملی ترتیب دیں (باقی صفحہ 5 نمبر 10)

بلوچستان میں زکوٰۃ نظام کی ڈیجیٹلائزیشن کا فیصلہ

مستحقین کو براہِ راست اکاؤنٹس کے ذریعے رقوم کی ترسیل ہوگی

کوئٹہ (یو این اے) وزیراعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی کی زیر صدارت محکمہ زکوٰۃ و اوقاف کی تنظیم نو سے متعلق اجلاس جمعرات کو یہاں چیف منسٹر سیکرٹریٹ میں منعقد ہوا جس میں صوبے میں زکوٰۃ کے نظام کو جدید خطوط پر استوار کرنے اور مستحقین تک شفاف انداز میں رقوم کی ترسیل یقینی بنانے کے لیے اہم فیصلے کیے گئے اجلاس میں بلوچستان بھر میں زکوٰۃ کے نظام کو ڈیجیٹلائز کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ مستحقین کو براہِ راست ان کے (باقی صفحہ 5 نمبر 12)

پاکستان اور عمان کے درمیان صحت کے شعبے میں تعاون بڑھانے پر اتفاق

اسلام آباد (جی این ایم) پاکستان اور عمان کے درمیان صحت کے شعبے میں تعاون بڑھانے پر اتفاق ہو گیا۔ وفاقی وزیر صحت مصطفیٰ کمال سے سلطنت عمان کے سفیر فہد خلف الخروصی نے ملاقات کی، اس دوران صحت کے شعبے سمیت دو طرفہ تعاون اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ ملاقات (باقی صفحہ 5 نمبر 13)

ٹرمپ کا امن منصوبہ فلسطین کی آزادی کے خلاف گہری سازش ہے، سید امان شاہ

پاکستان اور مسلم امہ فلسطین کے حق میں متحد رہیں گے، منصوبہ عالمی امن کے لئے خطرہ ہے، صوبائی کنوینر اے پی پی بلوچستان

کوئٹہ (یو این اے) عوام پاکستان پارٹی بلوچستان کے صوبائی کنوینر سید امان شاہ نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے نام نہاد امن منصوبے پر شدید ردعمل دیتے ہوئے اسے ناقابلِ عمل اور گھناؤنی سازش قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس منصوبے کا اصل مقصد فلسطینی عوام کو ان کے جائز حق آزادی سے محروم کر کے دنیا کو اسرائیلی بالادستی کے تابع کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ فلسطین کی آزادی کے خلاف یہ منصوبہ نہ صرف خطے بلکہ (باقی صفحہ 5 نمبر 14)

جبل نور کے قریب منی پٹرول پمپ میں آتشزدگی، دکان جل گئی

چار دنوں میں چھ سے زائد منی پٹرول پمپوں میں آگ لگنے کے واقعات تشویشناک ہیں، فائر بریگیڈ

کوئٹہ (یو این اے) جبل نور کے قریب واقع منی پٹرول پمپ میں اچانک آگ بھڑک اٹھی جس کے نتیجے میں قریبی دکان جل گئی۔ واقعے کی اطلاع ملتے ہی میٹرو پولیٹن فائر بریگیڈ کی ٹیم موقع پر پہنچی اور بروقت کارروائی کرتے ہوئے آگ پر قابو پا لیا۔ فائر بریگیڈ کے مطابق آتشزدگی کے دوران کوئی جانی نقصان پیش نہیں آیا۔ حکام نے مزید بتایا کہ گزشتہ چار دنوں کے دوران چھ سے زائد منی پٹرول پمپوں میں آگ لگنے کے واقعات (باقی صفحہ 5 نمبر 15)

کوئٹہ، وزیراعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی کے ہمراہ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن کوئٹہ میں تربیت مکمل کرنے والے افسران کا گروپ فوٹو

01

کے ذریعے طویل سفر کرنا پڑتا ہے۔علی نواز ابڑو نے کہا کہ صدام کوچ کے ڈرائیور اور منشی مسافروں کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں اور باریش افراد کی بار بار درخواست کے باوجود گاڑی کو مقررہ مقامات پر نہیں روکتے، جو کہ کھلی غنڈہ گردی ہے۔ان کے مطابق ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوچ عملے کی رکشہ ڈرائیوروں سے ملی بھگت ہے تاکہ مسافروں کو اڈے پر اتار کر رکشوں کے ذریعے منہ مانگے کرایے وصول کیے جائیں۔انہوں نے کہا کہ برسوں سے کوئٹہ، سبی اور جیکب آباد کے روٹ پر چلنے والی ناکارہ کوچز میں نہ کوئی سہولت موجود ہے اور نہ ہی مسافروں کی سلامتی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مہنگے کرایے وصول کرنے کے باوجود مسافروں، بچوں اور بزرگوں کو گاڑی کی چھتوں پر بٹھایا جاتا ہے، جس سے ان کی قیمتی جانوں سے کھیلا جا رہا ہے۔پیپلز پارٹی کے رہنما نے وزیراعلیٰ بلوچستان، چیف سیکرٹری بلوچستان، کمشنر سبی، کمشنر نصیرآباد اور متعلقہ ضلعی انتظامیہ سے پرزور مطالبہ کیا کہ صدام کوچ کے عملے کی من مانیوں اور مسافروں کے ساتھ بدسلوکی کا فوری نوٹس لیا جائے، روٹ پرمٹ منسوخ کیا جائے اور ذمہ داران کے خلاف سخت احتسابی کارروائی عمل میں لائی جائے۔

02

یشہ ایک وسیع علاقہ ہے جو ضلع خضدار کے دیگر علاقوں سے دور واقع ہے۔سرکاری امور جیسے شناختی کارڈ، ڈومیسائل، لوکل سرٹیفکیٹ، اسپتالوں اور دیگر اداروں تک رسائی کے لیے عوام کو خضدار یا تحصیل نال جانا پڑتا ہے، جس سے وقت اور پیسوں کا ضیاع ہوتا ہے۔اہلِ علاقہ اور عوامی نمائندوں نے کہا کہ آبادی میں اضافے اور بڑھتی ضروریات کے پیشِ نظر گریشہ کو تحصیل کا درجہ دینا وقت کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف عوام کو بنیادی سہولیات ان کے قریب میسر آئیں گی بلکہ ترقیاتی کاموں میں تیزی آئے گی اور ملازمتوں میں مقامی نوجوانوں کو حصہ ملے گا۔عوامی عمائدین نے حکومت بلوچستان، ضلعی انتظامیہ خضدار اور متعلقہ اداروں سے پرزور اپیل کی ہے کہ سب تحصیل گریشہ کو فوری طور پر تحصیل کا درجہ دیا جائے تاکہ عوام کی مشکلات کم ہوں اور علاقہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

03

ماسٹر سمیع اللہ رند اور دیگر کی موجودگی میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے میر جمیل رند نے کہا کہ بجلی اور گیس کی بندش، پانی کی قلت اور دیگر مسائل نے عوام کی زندگی اجیرن بنا دی ہے۔ دیہی علاقوں میں لوگ پینے کے صاف پانی کے لئے ترس رہے ہیں جبکہ شہروں میں لوڈشیڈنگ نے کاروباری طبقے کو تباہ کر دیا ہے۔انہوں نے کہا کہ نوجوان طبقہ سب سے زیادہ مایوسی اور پریشانی کا شکار ہے، روزگار کے مواقع نہ ہونے کے باعث نوجوان یا تو بیروزگار ہیں یا پھر حالات کے رحم و کرم پر بیرون ملک جانے پر مجبور ہیں۔ اگر حکومت نے نوجوانوں کے مسائل کے حل کے لیے فوری اقدامات نہ کیے تو آنے والے وقت میں معاشرتی بے چینی مزید بڑھ سکتی ہے۔میر جمیل رند نے کہا کہ عوام اب محض وعدوں اور اعلانات سے مطمئن نہیں ہوں گے، وقت کا تقاضا ہے کہ عملی اقدامات کیے جائیں۔ مہنگائی پر قابو پانے، بیروزگاری ختم کرنے، بجلی و گیس کی بلاتعطل فراہمی اور پانی کے بحران کے حل کے لئے حکومت کو سنجیدہ اور ٹھوس حکمت عملی اپنانا ہوگی۔ بصورت دیگر عوامی غصہ اور ردعمل روکنا ممکن نہیں ہوگا۔

04

پر پابندی عائد کر کے دفعہ 144 نافذ کی گئی، لیکن انتظامیہ کی غفلت کے باعث اس پر کوئی عمل درآمد نہ ہوسکا جس کے نتیجے میں قیمتی جانوں کا ضیاع معمول بن چکا ہے۔

05

کاری تعلقات، موسمیاتی اقدامات، ہنرمند افرادی قوت کی نقل و حرکت، دفاع اور تعلیم کے شعبوں میں تعاون کی اہمیت پر زور دیا۔وفاقی وزیر خارجہ نے سفیر ایچ ای انا لیپل کے لیے پاکستان میں کامیاب اور موثر خدمات کی خواہش بھی ظاہر کی۔یہ ملاقات دونوں ممالک کے تعلقات کو مزید مستحکم کرنے اور مشترکہ مفادات کے فروغ کے عزم کا مظہر ہے۔

06

سینیٹر مشتاق احمد خان بھی شامل ہیں۔میڈیا رپورٹس کے مطابق سینیٹر مشتاق احمد خان کی اہلیہ حمیرا طیبہ نے حکومت پاکستان نے اسرائیلی کی غیرقانونی حراست سے اپنے شوہر کی بحفاظت واپسی کے لیے تمام ضروری اقدامات کا مطالبہ کیا ہے۔سینیٹر مشتاق احمد خان سے رابطے کی بابت انہوں نے بتایا کہ 2 روز قبل ان کا موبائل جام کردیا گیا تھا جس کے بعد انہوں نے ایک ویڈیو میں اسے سمندر میں پھینک دیا تھا، تاہم وہ اپنے ایک ساتھی کے فون کے ذریعے گھر والوں سے رابطے میں رہے۔لیکن گزشتہ شب جو اسرائیلی حملہ ہوا ہے اور گرفتاریاں کی گئی ہیں، تو اس وقت سے وہ نمبر بھی بند ہوچکا ہے اور ہمارا ان صاحب سے بھی رابطہ ممکن نہیں رہا۔حمیرا اطہر کے مطابق کچھ دیر بعد ایک اور نمبر سے مشتاق احمد خان نیان سے رابطہ کرکے بتایا کہ ان کی کشتی کا بھی محاصرہ کرلیا گیا ہے اور کسی بھی لمحے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کرلیا جائے گا۔مشتاق احمد خان کی اہلیہ کا کہنا تھا کہ جب اسپین، اٹلی اور ترکیہ جیسے ممالک اپنے شہریوں کے تحفظ کے لیے اپنے بحری جہاز بھیج سکتے ہیں تو پاکستان ایسا کیوں نہیں کرسکتا، جبکہ پاکستان نے اسرائیل کو آج تک تسلیم نہیں کیا اور ہمیشہ سے فلسطین کی آزادی کے لیے اس کا واضح مقف رہا ہے۔اس سے قبل پاک فلسطین فورم کے سربراہ وہاج احمد کے ہمراہ ایک ویڈیو بیان میں سینیٹر مشتاق احمد خان کی اہلیہ حمیرا طیبہ کا کہنا تھا کہ یہ معاملہ فلوٹیلا کا نہیں بلکہ فلسطینیوں کی نسل کشی روکنے اور ان کی امداد کے لیے راہداری کھلوانے کا تھا اور یہ مشن جاری رہے گا۔اس سے بھی بدترین صورتحال ٹرمپ پلان کی صورت میں سامنے آئی ہے، جہاں ایک طرف وہ فتح جو اسرائیل گزشتہ 2 سال سے حاصل نہیں کرسکا تھا وہ فتح اسے پلیٹ میں رکھ کر پیش کی جارہی ہے، اور پاکستان اس منصوبے میں شامل ہے۔

07

نے جرائم پیشہ عناصر کے خلاف بھرپور کارروائیاں کرتے ہوئے منشیات، اسلحہ اور دیگر مجرموں کو گرفتار کیا جس سے علاقے میں جرائم کی شرح میں نمایاں کمی آئی ہے۔ایس ایچ او طالب حسین لاشاری کی بروقت کارروائیوں اور عوامی شکایات پر فوری ردعمل نے عوام میں تحفظ کا احساس پیدا کیا ہے۔ان کے عوام دوست رویے اور مضبوط انتظامی صلاحیتوں کو مقامی سماجی و عوامی حلقوں نے بے حد سراہا ہے۔عوامی و سماجی حلقوں کا کہنا ہے کہ ایس ایچ او طالب حسین لاشاری جیسے فرض شناس افسران کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے تاکہ پولیس اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ مزید مضبوط ہوسکے۔

08

پروپیگنڈے کو دنیا کے سامنے بے نقاب کیا۔اوستہ محمد پریس کلب رجسٹرڈ کے دورے کے موقع پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ اوستہ محمد کے صحافیوں نے ہمیشہ مثبت صحافت کو فروغ دیا ہے اور عوام کے مسائل اجاگر کر کے عوامی اعتماد حاصل کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ صحافی برادری کا کردار جمہوری اقدار کے استحکام کے لئے نہایت اہم ہے اور ضلعی انتظامیہ صحافیوں کے ساتھ مکمل تعاون کرے گی تاکہ وہ مزید مؤثر انداز میں اپنے فرائض انجام دے سکیں۔اس موقع پر صحافیوں نے ڈپٹی کمشنر کو پریس کلب کی خستہ حال عمارت کا معائنہ بھی کروایا۔ڈی سی نے یقین دہانی کرائی کہ پریس کلب کی مرمت اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے اقدامات کیے جائیں گے۔ بعدازاں صدر پریس کلب علی حسن ڈوکی کی جانب سے ڈپٹی کمشنر کے اعزاز میں چائے پارٹی کا بھی اہتمام کیا گیا۔

09

عبدالرف جمالی، اے ایس آئی دانش علی رند اور پولیس پارٹی نے مصدقہ اطلاع پر کارروائی کی۔پولیس نے چھاپہ مار کر ملزم محمد بخش ولد گل حسن قوم جنگ کو گرفتار کر کے تھانہ سٹی منتقل کر دیا۔ملزم طویل عرصے سے روپوش تھا۔ مقامی پولیس نے مزید کارروائی شروع کر دی ہے۔عوامی حلقوں نے پولیس کی اس کامیاب کارروائی کو سراہا ہے۔

10

تاکہ عوام کو سکون اور تحفظ مل سکے۔ پروفیسر حلیم صادق نے کہا کہ بدامنی اور خوف کی فضا نے عوام کی زندگی مفلوج کر دی ہے، کاروبار، مزدوری اور روزگار شدید متاثر ہیں جبکہ ہر شخص صبح گھر سے نکلتے وقت یہ سوچتا ہے کہ شاید شام کو زندہ واپس نہ لوٹے۔انہوں نے کہا کہ ایسی صورتحال نے عوام کے اعتماد کو مجروح اور معیشت کو تباہ کر دیا ہے۔ ریاست کی بنیادی ذمہ داری عوام کے جان و مال کا تحفظ ہے، لہٰذا حکومت وقت اور متعلقہ ادارے دہشت گردی کے خاتمے کے لئے ٹھوس اور مؤثر اقدامات کریں۔ پروفیسر حلیم صادق نے کہا کہ عوام پاکستان پارٹی ہر سطح پر امن و ترقی کی کوششوں کی حمایت کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ پائیدار ترقی صرف امن وامان کے قیام سے ہی ممکن ہے۔

11

شناختی کارڈ نادرا آفس والوں نے کلیئر نہیں کیا۔انکا کیس تاخیر اور عدم توجہی کا شکار رہا۔لہٰذا، مجبور ہو کر انہوں نے وفاقی محتسب کوئٹہ سے رجوع کیا اور متعلقہ محکمے کے خلاف درخواست دائر کی درخواست موصول ہوتے ہی وفاقی محتسب کوئٹہ نے بروقت انکوائری کا آغاز کیا اور متعلقہ محکمے کے خلاف درخواست دائر کی۔درخواست موصول ہوتے ہی وفاقی محتسب کوئٹہ نے بروقت انکوائری کا آغاز کیا اور متعلقہ محکمے کو طلب کر کے کیس کی فوری ساعت شروع کر دی ساعت کے دوران متعلقہ محکمہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔لہٰذا، وفاقی محتسب نے احکامات جاری کیے کہ درخواست گزار کا شناختی کارڈ بحال کیا جائے۔احکامات موصول ہوتے ہی متعلقہ محکمے نے درخواست گزار کا بلاک شناختی کارڈ ان بلاک کر دیا۔اس بروقت اور منصفانہ فیصلے پر درخواست گزار نے وفاقی محتسب کا شکریہ ادا کیا۔

12

ڈیجیٹل اکاؤنٹس کے ذریعے زکوٰۃ کی رقوم منتقل کی جاسکیں اس حوالے سے اتفاق رائے کیا گیا کہ زکوٰۃ کی تقسیم میں شفافیت، میرٹ اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال یقینی بنایا جائے گا وزیراعلیٰ میر سرفراز بگٹی نے اس موقع پر کہا کہ زکوٰۃ کے فنڈز مستحقین تک مؤثر انداز میں پہنچانے کے لیے بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کی معاونت حاصل کی جائے گی، جبکہ مستحق افراد کی درست شناخت کے لیے نادرا ڈیٹا اور جدید ڈیجیٹل سسٹم استعمال ہوں گے انہوں نے کہا کہ اس نظام سے کرپشن، بدعنوانی اور بے ضابطگیوں کا خاتمہ ہوگا اور عوام کا اعتماد بحال ہوگا وزیراعلیٰ نے کہا کہ زکوٰۃ فنڈز کے موثر اور منصفانہ استعمال سے معاشرتی انصاف کو فروغ ملے گا اور حقیقی مستحقین براہ راست مستفید ہوں گے انہوں نے واضح کیا کہ حکومت کی اولین ترجیح شفافیت اور میرٹ پر مبنی نظام کی تشکیل ہے تاکہ صوبے کے غریب اور نادار طبقے کو زیادہ سے زیادہ ریلیف فراہم کیا جاسکے اجلاس میں صوبائی وزیر میر محمد صادق عمرانی، پارلیمانی سیکرٹری برائے زکو محترمہ شہناز عمرانی، پرنسپل سیکرٹری بابر خان، سیکرٹری زکوٰۃ و اوقاف محمد اسحاق جمالی، سیکرٹری خزانہ عمران زرکون اور ایڈیشنل سیکرٹری چیف منسٹر سیکرٹریٹ محمد فریدون نے شرکت کی۔

13

میں مصطفیٰ کمال نے کہا کہ پاکستان اور عمان کے مابین مضبوط برادرانہ تعلقات ہیں۔ انہوں نے صحت کے شعبے میں جاری اصلاحات اور ویکسین کی مقامی طور پر تیاری کے بارے حکومتی اقدامات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی صحت کے مختلف شعبوں میں مل کر کام کرنے پر اتفاق کیا۔وزیرصحت نے کہا کہ فارماسیوٹیکل شعبے میں تکنیکی اشتراک سے ایک دوسرے سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں، پاکستان ویکسین کی مقامی تیاری کیلئے پرعزم ہے، ہیلتھ کیئر اسٹاف اور میڈیکل فریشنز کے شعبے ایک دوسرے کے تجربات سے مستفید ہوسکتے ہیں۔اس موقع پر عمان کے سفیر فہد خلف الخروصی نے پاکستان کے طبی شعبے کی مہارت کو قابل تحسین قرار دیا۔انہوں نے کہا کہ سلطنت عمان نرسنگ اور میڈیکل اسپیشلسٹس سمیت ہنرمند طبی عملے کی خدمات حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔انہوں نے طبی تعلیم، پیشہ ورانہ تربیت اور ماہرین کے باقاعدہ تبادلے کی اہمیت پر زور دیا۔اس پر مصطفیٰ کمال نے کہا کہ اس سے دونوں ممالک کے صحت کے میدان میں اشتراک عمل کو مزید مستحکم کرنے میں مدد ملے گی۔

14

عالمی امن کے لئے بھی سنگین خطرہ ہے۔فلسطینی عوام نے ہمیشہ قربانیاں دے کر اپنی مزاحمتی جدوجہد جاری رکھی ہے اور ان کی یہ تحریک کسی سازش یا دبا سے ختم نہیں کی جا سکتی۔ سید امان شاہ نے واضح کیا کہ پاکستان سمیت پوری مسلم امہ فلسطین کے حق میں متحد ہے اور قبلہ اول کے تحفظ اور آزادی کے مقصد سے کسی صورت دستبردار نہیں ہوگی۔ انہوں نے عالمی برادری خصوصاً مسلم ممالک پر زور دیا کہ وہ فلسطینی عوام کی بھرپور حمایت کریں اور اسرائیلی جارحیت کے خلاف متفقہ موقف اختیار کریں تاکہ خطے میں پائیدار امن قائم کیا جاسکے۔انہوں نے عالمی برادری خصوصاً مسلم ممالک پر زور دیا کہ وہ فلسطینی عوام کی بھرپور حمایت کریں اور اسرائیلی جارحیت کے خلاف متفقہ موقف اختیار کریں تاکہ خطے میں پائیدار امن قائم کیا جاسکے۔

15

رپورٹ ہوچکے ہیں، جو تشویشناک ہیں۔انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ غیر قانونی اور غیر محفوظ منی پٹرول پمپوں کے خلاف کارروائی کے لیے متعلقہ اداروں کو آگاہ کریں تاکہ ایسے حادثات سے بچا جا سکے۔

16

داؤ پر لگایا ہے اور لگا رہے ہیں، یہ ہمارے ایمان کا جزو ہے۔خواجہ آصف نے کہا کہ میرے انتخابی حلقے سیالکوٹ میں کشمیری مہاجرین کی کثیر تعداد ہے، اکتوبر 1947 میں جموں سیالکوٹ کا بارڈر کراس کرتے ہوئے ایک لاکھ کشمیری مسلمان شہید ہوئے، ہزاروں عورتوں کی عصمت لٹی، ہزاروں اغوا ہوگئیں، بجوات، حاجی پورہ اور پکا گڑھ کیمپ کے ہر گھر میں پاکستان کے ساتھ محبت کی قیمت جانوں سے چکانے والے رہتے ہیں۔

17

سیکرٹری پروفیسر رحمت اللہ اچکزئی اور ایگزیکٹو ممبر ڈاکٹر گل محمد بلوچ نے سائنس بلاک کے مختلف شعبہ جات کا دورہ کیا اور اساتذہ و ملازمین سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وائس چانسلر نے صوبائی سول سیکرٹریٹ کی افسر شاہی اور کنسلٹنٹس کے دبا پر جامعہ بلوچستان کی خودمختاری پر سمجھوتہ کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ سو سے زائد ریٹائرڈ اساتذہ اور ملازمین کو پینشنز و بقایاجات نہیں دیے گئے جبکہ اہم عہدوں پر من پسند افراد کو ڈبل چارج دے دیا گیا ہے اور ڈینز کی تعیناتی میں بھی مروجہ طریقہ کار کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ایسوسی ایشن رہنماں نے اعلان کیا کہ یوم سیاہ جمعہ کو بھی منایا جائے گا اور اگلے ہفتے سے جامعہ بلوچستان کے مین گیٹ پر احتجاجی کیمپ لگایا جائے گا، جس میں سینکڑوں اساتذہ کرام شریک ہوں گے۔

18

پر حاجی غلام حسین کرد نے کہا کہ خضدار قومی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ایک اہم جنکشن کی حیثیت رکھتا ہے اور کاروباری سرگرمیوں کے لئے مثالی مقام ہے۔شہر کی قدرتی خوبصورتی اور وسائل کی فراوانی سے تجارت کو مزید فروغ دیا جا سکتا ہے جبکہ مقامی افراد کے لئے روزگار کے وسیع مواقع بھی موجود ہیں۔صدر انجمن تاجران حافظ حمید اللہ مینگل نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ مقامی نوجوانوں کے لئے ہنرمندی کے پروگرام شروع کئے جائیں تاکہ وہ تجارت اور چھوٹے کاروباروں میں خود کفیل ہو سکیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ٹیکس مراعات اور کاروباری قرضوں کی سہولت سے چھوٹے تاجر اپنے کاروبار کو بہتر طریقے سے وسعت دے سکتے ہیں۔ڈپٹی کمشنر یاسر اقبال دشتی نے تاجروں کی تجاویز کو مثبت انداز میں سنا اور یقین دلایا کہ ضلعی انتظامیہ کاروباری برادری کے ساتھ مل کر خضدار کی تجارتی صلاحیت کو بھرپور انداز میں بروئے کار لانے کے لئے اقدامات کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ شہر کے وسائل اور مواقع کو بروئے کار لا کر معاشی ترقی کو یقینی بنایا جائے گا۔ملاقات کے اختتام پر حاجی غلام حسین کرد اور حافظ حمید اللہ مینگل نے ڈپٹی کمشنر کے تعاون پر شکریہ ادا کیا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ خضدار کی معاشی ترقی کے لئے ایسی ملاقاتیں باقاعدگی سے جاری رہیں گی۔

19

عائد ڈیوٹی کے علاوہ ہوگی۔نوٹی فکیشن میں کہا گیا کہ یہ اضافی ریگولیٹری ڈیوٹی 30 جون 2026 تک نافذ العمل رہے گی جب کہ آئندہ سال 30 جون کے بعد یہ ڈیوٹی ہر سال 10 فیصد کم کی جائے گی اور یہ ڈیوٹی 30-2029 تک مکمل طور پر ختم کر دی جائے گی۔یاد رہے کہ وفاقی حکومت نے استعمال شدہ گاڑیوں کی کمرشل درآمد کی اجازت دے رکھی ہے۔

20

بابو عبداللطیف کھوسہ، آرگنائزر حاجی محمد نواز سرپرہ، سینئر نائب صدر ظہور احمد کورار سمیت جمیل احمد سیال، محمد اقبال منجھو، سلطان احمد عمرانی، محمد آصف ابڑو، غلام شبیر ابڑو، نوریز خان عمرانی، دوست محمد مینگل، نور محمد مینگل اور دائم علی جکھرانی نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا کہ سوشل میڈیا پر "عوامی ترجمان" نامی پیج کے ذریعے محکمہ تعلیم اور افسران کے خلاف بے بنیاد الزامات لگائے جا رہے ہیں، جس کا مقصد صرف اور صرف بدنامی ہے۔انہوں نے واضح کیا کہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر نصیرآباد عبدالحمید ابڑو ایک فرض شناس اور ایماندار افسر ہیں۔ ان کی کوششوں سے نصیرآباد کے 120 میں سے 102 بند اسکولز دوبارہ کھولے گئے، جو قابلِ ستائش اقدام ہے۔جی ٹی اے عہدیداران نے کہا کہ نوہائی اسکولز کی بندش کی خبر جھوٹی اور بے بنیاد ہے، نصیرآباد کے تمام پرائمری، مڈل اور ہائی اسکولز کھلے ہوئے ہیں۔جی ٹی اے عہدیداران نے کمشنر نصیرآباد ڈویژن اور ڈپٹی کمشنر نصیرآباد سے مطالبہ کیا ہے کہ ایسے نام نہاد سوشل ورکرز اور منفی پروپیگنڈہ کرنے والے سوشل میڈیا پیجز کے خلاف پیکا ایکٹ کے تحت قانونی کارروائی کی جائے تاکہ آئندہ کسی کو محکمہ تعلیم اور اساتذہ کی ساکھ خراب کرنے کی اجازت نہ مل سکے۔

21

فائرنگ سے 2 افراد شدید زخمی ہوئے جنہیں فوری طور پر چھیپا ایمبولینس کے ذریعے سول اسپتال منتقل کیا جا رہا تھا کہ دونوں افراد راستے میں دم توڑ گئے، جاں بحق افراد کی شناخت 50 سالہ جاوید عباسی ولد کالو خان اور 45 سالہ شاہد ولد سعید خان کے نام سے کی گئی۔فائرنگ کے واقعے کی اطلاع ملنے پر پولیس موقع پر پہنچ گئی اور پولیس نے فوری جائے وقوع سے شواہد اکٹھا کرنے کے لیے کرائم سین یونٹ کو بھی موقع پر طلب کر لیا۔ایس ایچ او موچکو فیصل لطیف کے مطابق فائرنگ کا واقعہ پلاٹوں کے تنازع پر پیش آیا، فائرنگ رافع نامی ملزم اور اس کے موٹر سائیکل سوار ساتھیوں کی جانب سے کی گئی ہے۔مقتول جاوید عباسی اور شاہد گلی کے کونے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ملزم رافع اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہنچ گیا اور انہوں نے فائرنگ کر دی۔ پولیس افسر نے بتایا کہ ملزمان نے مقتول جاوید عباسی کے بیٹے پر بھی فائرنگ کی لیکن وہ خوش قسمتی سے بچ گیا اور گلی میں فرار ہوگیا، فائرنگ کے واقعے کے بعد ملزمان موقع سے فرار ہوگئے۔ایس ایچ او نے بتایا کہ فائرنگ کے واقعے کے بعد پولیس نے ملزمان کے گھر پر چھاپہ مارا تاہم ملزم اپنے گھر خالی چھوڑ کر فرار ہوگئے۔انہوں نے بتایا کہ پولیس واقعے کے حوالے سے مزید تفتیش اور واقعے میں ملوث ملزمان کی گرفتاری کے لیے کوششیں کر رہی ہے۔

22

ترجمان نے کہا کہ ہم جاں بحق ہونے والوں کے اہل خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور زخمیوں کی جلد صحتیابی کے لیے دعاگو ہیں۔دفتر خارجہ نے کہا کہ قدرتی آفات کے ان لمحات میں پاکستان اپنے برادر ممالک کے ساتھ کھڑا ہے اور ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہے۔بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ پاکستان ان مشکل گھڑیوں میں انڈونیشیا اور فلپائن کی حکومتوں اور عوام کے ساتھ ہے اور دعا گو ہے کہ وہ جلد اس آزمائش سے نکل آئیں۔

23

نے یقین دہانی کرائی کہ وہ ٹیلی نار کے حصول کے عمل کو تمام ریگولیٹری اداروں کی ہدایات اور ملکی قوانین کے مطابق آگے بڑھائے گا۔ادارے کے مطابق یہ انضمام ٹیلی کام انڈسٹری کے لیے تاریخی سنگ میل ثابت ہوگا جو پی ٹی ایم ایل (یوفون) اور ٹیلی نار کی مشترکہ قوتوں کو یکجا کر کے صارفین کو بہترین نیٹ ورک کوالٹی، وسیع کوریج اور جدید ڈیجیٹل سہولیات فراہم کرے گا۔ کمپنی نے کہا کہ اس انضمام سے انفراسٹرکچر مزید مضبوط ہوگا، مسابقتی ماحول بہتر بنے گا اور حکومت کے "ڈیجیٹل پاکستان وژن" کو آگے بڑھانے میں نیا ادارہ کلیدی کردار ادا کرے گا۔

24

ہوائی اڈوں میں بہترین قرار دیا گیا۔اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ نے کراچی اور لاہور سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا جبکہ ملتان انٹرنیشنل ایئرپورٹ نے پشاور، فیصل آباد اور کوئٹہ پر سبقت حاصل کی۔پی اے اے آڈٹ میں مسافروں کو سہولیات، ٹرمینل کی صفائی، ایئر سائیڈ سیفٹی اسٹینڈرڈ/معیار، لائٹنگ سسٹم، لفٹس، بیگیج ہینڈلنگ سسٹم، سیکیورٹی پروٹوکول کا نفاذ اور پیروی اور ریسکیو اینڈ فائر فائٹنگ سروسز (RFFS) کا بھی جائزہ شامل تھا۔پی اے اے ہیڈکوارٹرز نے اسلام آباد اور ملتان ایئرپورٹس کی انتظامیہ کی شاندار کارکردگی کو سراہا۔ترجمان پی اے اے کے مطابق دونوں ایئرپورٹس کے مینیجرز کو پی اے اے (قیادت) کی جانب سے تعریفی خطوط بھی جاری کیے گئے۔

25

غزنی اور ہرات میں دوبارہ بحال ہوگئے۔انٹرنیٹ کی واپسی پر عوام بڑی تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے، گاڑیوں کے ہارن بجائے، مٹھائیاں اور غبارے خریدے اور خوشی کا اظہار کیا۔مقامی شہریوں کا کہنا تھا کہ "شہر دوبارہ زندہ ہوگیا ہے"۔یہ پہلا موقع ہے کہ طالبان حکومت نے 2021 کے بعد پورے ملک میں ٹیلی کمیونی کیشن معطل کی۔ انٹرنیٹ مانیٹرنگ ادارے نیٹ بلاکس نے بتایا کہ بلیک آؤٹ "جان بوجھ کر کنکشن منقطع کرنے" کا نتیجہ تھا۔اقوام متحدہ نے اس بندش کو افغانستان کو دنیا سے کاٹنے کے مترادف قرار دیتے ہوئے فوری بحالی کا مطالبہ کیا تھا۔

26

قدر میں اضافے کے عمل کو تیز کرنے کیلئے پاکستان میں اپنے کاروباری اور عملیاتی ماڈل میں تبدیلی کا فیصلہ کیا ہے۔کمپنی اب ایک تیسرے فریق (ڈسٹری بیوٹر) کے ذریعے صارفین کو اپنی مصنوعات فراہم کرے گی۔ اس فیصلے کے تحت پی اینڈ جی پاکستان اور جلیٹ پاکستان لمیٹڈ کی مینوفیکچرنگ اور کمرشل سرگرمیاں بتدریج ختم کر دی جائیں گی، اور پاکستانی صارفین کو خطے میں موجود دیگر آپریشنز کے ذریعے خدمات فراہم کی جائیں گی۔ کمپنی اس عمل کی تکمیل تک معمول کے مطابق اپنا کاروبار جاری رکھے گی، جس میں کئی مہینے لگ سکتے ہیں۔اس فیصلے کے ساتھ ہی پی اینڈ جی پاکستان اور اس کے علاقائی معاون دفاتر فوری طور پر منتقلی کے منصوبے پر کام کا آغاز کریں گے جس میں سب سے پہلے توجہ پی اینڈ جی کے ملازمین پر دی جائے گی۔جن ملازمین کی ذمہ داریاں اس فیصلے سے متاثر ہوں گی، انہیں پی اینڈ جی کے دیگر ممالک میں موجود آپریشنز میں مواقع فراہم کیے جائیں گے یا پھر مقامی قوانین، کمپنی کی پالیسیوں اور اقدار و اصولوں کے مطابق علیحدگی پیکجز دیے جائیں گے۔متعدد ممکنہ آپشنز پر غور کرنے کے بعد کمپنی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ موجودہ حالات میں پاکستان میں صارفین کو خدمات فراہم کرنے کا سب سے موزوں طریقہ تیسرے فریق کے ڈسٹری بیوٹر ماڈل کو اپنانا ہے۔

27

مصروف ہیں اس لئے ساعت ملتوی کر دی جائے۔عدالت نے استدعا منظور کرتے ہوئے سماعت اٹھارہ نومبر تک ملتوی کر دی، پرائیوٹ کمپلینٹ میں کئی ماہ گزرنے کے باوجود چیئرمین پی ٹی آئی بیرسٹر گوہر ابتدائی بیان ریکارڈ نہیں کروا سکے، پی ٹی آئی اس دوران دس سے زائد دفعہ التوا مانگ چکی، قانون کی رو سے بیرسٹر گوہر کا بیان ریکارڈ ہونے تک کارروائی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

28

بڑا خطرہ قرار دیا جا رہا ہے۔ابتدائی طور پر کسی جانی یا مالی نقصان کی اطلاع نہیں ملی، تاہم شہریوں میں خوف و ہراس کی فضا دیکھی گئی۔زلزلے کے جھٹکے کئی سیکنڈ تک محسوس کیے گئے، اور بعض علاقوں میں لوگ دفاتر اور گھروں سے نکل کر کھلے میدانوں اور سڑکوں پر جمع ہوگئے۔ماہرین کے مطابق مرمرہ فالٹ لائن ترکی کے سب سے حساس خطوں میں سے ایک ہے، اور ماضی میں اسی علاقے میں شدید زلزلے تباہی کا سبب بن چکے ہیں۔

29

والے ادارے مظاہرین کے ساتھ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کریں۔محمد شہباز شریف نے کہا کہ عوامی جذبات کا احترام یقینی بنائیں اور کسی بھی قسم کی غیر ضروری سختی سے اجتناب برتیں، ان کا کہنا تھا کہ حکومت اپنے کشمیری بھائیوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔وزیراعظم نے مظاہروں کے دوران ہونے والے ناخوشگوار واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے واقعے کی شفاف تحقیقات کا حکم دیا ہے، وزیراعظم نے احتجاجی مظاہروں سے متاثرہ خاندانوں تک فوری امداد پہنچانے کی ہدایت کی ہے۔

30

نے اس منصوبے کو صوبے میں پبلک پرائیوٹ پارٹنرشپ کے تحت طبی تعلیم کے فروغ میں سنگ میل قرار دیتے ہوئے کہا کہ صوبے کے نوجوانوں کو عالمی معیار کی طبی تعلیم دے کر مستقبل کے ڈاکٹرز اور نرسز تیار ہوں گے انہوں نے کہا کہ بلوچستان کے طلبہ کو اب بیرون ملک معیار کی تعلیم مقامی سطح پر میسر آئے گی جس سے صوبے کے ہر طبقے کے طلبہ کو فائدہ پہنچے گا وزیراعلیٰ بلوچستان نے کہا کہ صوبے کے دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والے ہونہار طلبہ بھی اس منصوبے سے مستفید ہوں گے اور یہ اقدام صوبے میں ہیلتھ کیئر نظام کو مضبوط بنانے میں عملی پیش رفت ثابت ہوگا انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ تعلیم اور صحت کے شعبوں میں اصلاحات و ترقی حکومت بلوچستان کی اولین ترجیحات ہیں، ایم او یو کی دستاویزات پر سیکرٹری ہائیر ایجوکیشن صالح محمد بلوچ اور ہارلے ہیلتھ کیئر سروسز کے چیف ایگزیکٹو آفیسر ڈاکٹر اظہر اسلم نے دستخط کئے اس موقع پر وزیراعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی، صوبائی وزیر صحت بخت محمد کاکڑ، صوبائی وزیر میر محمد صادق عمرانی، سیکرٹری صحت مجیب الرحمن پانیزئی، سیکرٹری خزانہ عمران زرکون، بلوچستان پبلک پرائیوٹ پارٹنرشپ اتھارٹی کے سربراہ ڈاکٹر فیصل خان اور بلوچستان بورڈ آف انویسٹمنٹ اینڈ ٹریڈ کے وائس چیئرمین بلال خان کاکڑ بھی شریک تھے

31

تھا۔نوٹیفکیشن کے مطابق کاغذات نامزدگی 8 اور 9 اکتوبر کو جمع کرائے جاسکتے ہیں۔نوٹیفکیشن کے مطابق پنجاب اسمبلی کی تین خالی نشستوں پر انتخابات 23 نومبر کو ہوں گے۔ فیصل آباد سے صوبائی اسمبلی کی نشست پی پی 115 اور پی پی 116 کی نشست پر انتخابات 23 نومبر کو ہوں گے۔ جبکہ مظفرگڑھ سے صوبائی اسمبلی کی نشست پی پی 269 پر بھی انتخاب 23 نومبر کو ہوگا۔کاغذات نامزدگی 13 تا 15 اکتوبر تک جمع کرائے جاسکتے ہیں۔الیکشن کمیشن نے پشاور ہائی کورٹ کی عبوری ریلیف کی مدت ختم ہونے کے بعد شیڈول جاری کیا ہے۔جس کے مطابق سینٹ کی خیبرپختونخوا سے خالی جنرل نشست پر ضمنی انتخاب کیلئے پولنگ 30 اکتوبر کو ہوگی، کاغذات نامزدگی آٹھ اور نو اکتوبر کو جمع کروائے جاسکیں گے۔

32

کو نہیں گنوا سکتے، مریم نواز نے ڈیڑھ سال میں 90 منصوبے شروع کر دیے جن میں 50 مکمل ہو چکے ہیں، مریم نواز نے اپنی چھت اپنا گھر میں 90 ہزار گھر دیے، 80 ہزار اسکالرشپ دیں، کراچی کے لوگ خود لاہور کی سڑکوں اور صفائی کی تعریفیں کرتے ہیں۔وزیر اطلاعات کا کہنا تھا کہ مریم نواز پنجاب کے سیلاب متاثرین کو 10، 10 لاکھ کے امدادی چیک دے رہی ہیں۔انہوں نے شرمیلا فاروقی کیلئے مزید کہا کہ میں آپ کے ساتھ مناظرے کے لئے بالکل تیار ہوں آ جائیں، پرفارمنس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ قبل ازیں ایک انٹرویو میں شرمیلا فاروقی کا کہنا تھا کہ جب ایک صوبے کا چیف ایگزیکٹو یہ کہے گا کہ میرا پیسا، میرا پانی، انگلی توڑ دیں گے، یہ بدقسمتی ہے، پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن کی اہم اتحادی ہے اس کا ادراک ان لیگ کو ہونا چاہیے، ہم سیلاب زدگان کو ریلیف دینے پر بات کر رہے ہیں ذاتیات پر نہیں۔انہوں نے کہا کہ سندھ میں 2022 میں سیلاب آیا، ہم نے بی آئی ایس پی کے ذریعے کیش ٹرانسفر کیا، پنجاب میں لوگوں کی فوری مدد کا بی آئی ایس پی کیجائے اور کوئی ذریعہ نہیں، پیپلز پارٹی کے سوا اور کوئی حکومت ایسا پروجیکٹ بنا ہی نہیں سکی، آپ ہماری بے عزتی کریں گے تو کیا ہم حکومت بنچز پر بیٹھ کر سنتے رہیں گے، یہ آپ کا پانی ہے نہ میرا، یہ پاکستان کے عوام کا ہے۔

33

چھپاؤں گا کہ یہ حمایت ممبر ممالک سے حاصل کرنا بھی مشکل ہوسکتا ہے۔یورپی کمیشن کی جانب سے اس تجارتی معاہدے کی معطلی کا مقصد اسرائیل پر دباؤ ڈالنا ہے تاکہ غزہ میں جاری جنگ کے دوران انسانی بحران پر توجہ دی جا سکے، تاہم رکن ممالک کے درمیان اس معاملے پر اختلافات موجود ہیں۔

34

ان کا کہنا تھا کہ غزہ میں جاری تباہی اور انسانی بحران پر عالمی برادری کی خاموشی افسوس ناک ہے، سلامتی کونسل غزہ میں خونریزی روکنے اور انسانی امداد کی قرارداد منظور کرنے میں ناکام رہی۔ پاکستانی مستقل مندوب نے غزہ میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا اور خصوصی طور پر اسرائیل کو جواب دہ ٹھہرانے اور تنازعہ فلسطین کے دو ریاستی حل پر زور دیا۔

35

علاقوں میں موجود ہے۔اقوام متحدہ نے سیز فائر معاہدے کے بعد سے اب تک 103 لبنانی شہریوں کی شہادتوں کی تصدیق کی ہے۔

36

کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پوزیشن ہولڈرز نے پنجاب اور پاکستان کا نام روشن کیا، جس ملک میں اتنے سارے ٹاپرز ہوں اس کو کبھی زوال نہیں آسکتا، میرے پاس پنجاب میں 50 ہزار سکول اور کروڑوں بچے پڑھتے ہیں، سب کو پتہ ہے سرکاری سکولوں میں کس طرح کی روایتی تعلیم ہوتی ہے، پرائیویٹ اور گورنمنٹ سیکٹر کے سکولوں کی تعلیم میں بہت فرق آگیا ہے، جب وزیراعلیٰ کا حلف اٹھایا تو کہا تھا پرائیویٹ اور گورنمنٹ سیکٹر کی تعلیم کا فرق ختم کروں گی، اس وقت پنجاب میں 80 ہزار بچے سکالرشپس پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، سمجھتی ہوں آپ کیلئے ٹیکنالوجی کا استعمال بھی ضروری ہے، سوچا تھا اچھی پرفارمنس والے طلبہ کو جدید لیپ ٹاپس دوں، بطور ماں آپ سب پوزیشن ہولڈرز پر بہت فخر ہے، ماں باپ دن رات محنت کر کے بچوں کے خواب پورے کرتے ہیں، خوشی ہے جتنا پنجاب کے بیٹوں نے پرفارم کیا اس سے بڑھ کر بیٹیوں نے بھی پرفارم کیا۔

37

پولیس کی فائرنگ سے ہلاک ہوگیا، واقعے کی مزید تحقیقات جاری ہیں، مانچسٹر کے میئر نے لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ جائے وقوعہ سے دور رہیں۔گریٹر مانچسٹر پولیس نے کہا ہے کہ شمالی مانچسٹر کے کرمپسال میں ہیٹن پارک ہیبریو کنگریگیشن سیناگوگ میں اس وقت افسران کو بلایا گیا جب ایک عینی شاہد نے بتایا کہ اس نے ایک کار کو شہریوں کو روندتے ہوئے دیکھا ہے اور ایک شخص پر چاقو سے بھی وار کیا گیا۔گریٹر مانچسٹر کے میئر اینڈی برنہم نے بتایا کہ ملزم کو پولیس کی جانب سے گولی ماری گئی اور اس بات کا خدشہ ہے کہ پولیس کی جوابی کارروائی میں حملہ آور ہلاک ہوگیا۔پولیس کی جانب سے کہا جا رہا ہے کہ جمعرات کی صبح 9 بج کر 31 منٹ پر پی ایس ٹی پی ایک شہری کی کال موصول ہوئی جس نے حملے کے یہ مناظر دیکھے، حملے کے بارے میں اب تک یہ بتایا گیا ہے کہ 4 شہری گاڑی کے ٹکرا جانے اور چاقو کے وار سے زخمی ہوئے، جب طبی عملہ موقع پر پہنچا تو انہیں 4 افراد زخمی حالت میں ملے، یہ زخم گاڑی کے ٹکرانے اور چاقو کے وار دونوں کے نتیجے میں آئے۔

38

اس تصادم کے نتیجے میں ایک طیارے کا فرنٹ بری طرح متاثر ہوا اور دوسرے کا ونگ ٹوٹ گیا، حادثے کے بعد مسافروں اور عملے کو فوری طور پر بسوں کے ذریعے واپس ٹرمینل پہنچایا گیا، ایک مسافر نے بتایا کہ ہم شارلٹ سے لینڈ کرنے کے بعد گیٹ کی طرف جا رہے تھے کہ اس دوران ایک اور ڈیلٹا ریجنل جیٹ آ کر ہمارے طیارے سے ٹکرا گیا۔ایئرلائنز ترجمان کا کہنا ہے کہ ہم اپنے تمام صارفین اور عملے کی حفاظت کو سب سے مقدم رکھتے ہیں، اس افسوسناک واقعے پر ہم معذرت خواہ ہیں اور تمام مسافروں کی دیکھ بھال کے لیے ہر ممکن قدم اٹھا رہے ہیں، ایک فلائٹ میں 28 اور دوسری فلائٹ میں 57 مسافر سوار تھے، سب کو خوراک اور مشروبات فراہم کیے گئے جنہیں رات گزارنی تھی ان کے لیے ہوٹل اور دوبارہ پرواز کے لیے ری بکنگ کی سہولت بھی میسر ہوگی۔اس حوالے سے مزید یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس واقعے کے نتیجے میں لاگوارڈیا ایئرپورٹ کی پروازیں یا دیگر آپریشنز متاثر نہیں ہوئے، متعلقہ اداروں کے ساتھ مل کر حادثے کی وجوہات کا جائزہ لیا جائے گا، فضائی سفر کی نگرانی، قوانین سازی اور حفاظت کرنے والے ادارے، نیشنل ٹرانسپورٹیشن سیفٹی بورڈ (NTSB) اور دیگر اداروں کے ساتھ مل کر واقعے کی مکمل تفتیش کی جائے گی۔

39

9 لاشیں لائی گئیں جہاں رشتہ داروں نے شدید غم میں اپنے پیاروں کی لاشوں کی شناخت کی۔ ایک فرانسیسی خیراتی ادارے ڈاکٹرز آؤٹ بارڈرز کے 26 سالہ ملازم عمر الہائک بھی جاں بحق افراد میں شامل تھے۔MSF ٹیم کی سربراہ کیرن ہسٹر نے بتایا کہ ہمارے کئی اہلکار زخمی ہو کر الاقصیٰ شہداء اسپتال پہنچائے گئے، وہاں پہنچ کر ہمیں معلوم ہوا کہ ایک ساتھی جاں بحق اور 4 دیگر زخمی ہو چکے ہیں۔یہ صورتحال ناقابل قبول ہے۔خان یونس کے ناصر اسپتال نے جنوبی غزہ میں دو مزید ہلاکتوں کی تصدیق کی۔غزہ میں یہ جنگ تقریباً دو برس سے جاری ہے جو 7 اکتوبر 2023 کو حماس کے اسرائیل پر حملے کے بعد شروع ہوئی تھی۔اس حملے میں 1,219 اسرائیلی ہلاک ہوئے تھے، جبکہ اس کے بعد اسرائیلی جوابی کارروائیوں میں فلسطینی وزارت صحت کے مطابق اب تک 66,225 فلسطینی جاں بحق ہو چکے ہیں، جن میں اکثریت عام شہریوں کی ہے۔

40

کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔فریدہ بلوچ نے کہا کہ بلوچستان قدرتی وسائل سے مالا مال ہے لیکن بدقسمتی سے اپنے ہی لوگوں نے صوبے کو پسماندگی کی طرف دھکیل دیا اور خود عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نفرت کی سیاست کرنے والوں کو عوام نے سیاسی میدان سے باہر کر دیا ہے اور اب وہ اپنی ساکھ بچانے کے لیے دہشت گردی کے ذریعے حالات خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر باشعور عوام انہیں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔انہوں نے کہا کہ پاکستان مسلم لیگ قائد عوام سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کی قیادت میں بلوچستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرے گی اور احساس محرومی کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان کی خواتین خوشحال صوبے کے لیے سیاسی میدان میں سرگرم ہیں اور اول دستے کا کردار ادا کر رہی ہیں۔فریدہ بلوچ نے کہا کہ بلوچستان کی عوام پرامن اور خوشحال صوبے کے لیے پاکستان مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہو کر قائد عوام نواز شریف کے ہاتھ مضبوط کریں۔

41

ہیں جبکہ ضلعی انتظامیہ کی جانب سے مہنگائی پر قابو پانے کے لیے کوئی مؤثر اقدامات دیکھنے میں نہیں آ رہے۔عوامی حلقوں کا کہنا ہے کہ دکاندار اور مڈل مین کھلے عام من مانی قیمتیں وصول کر رہے ہیں، اور اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اوستہ محمد بلوچستان کے مہنگے ترین شہروں میں شامل ہو چکا ہے۔ جبکہ قریبی علاقے، جیسے کہ گڑھی خیرو، ڈیرہ اللہ یار اور ڈیرہ مراد جمالی میں وہی اشیاء نمایاں طور پر کم نرخوں پر دستیاب ہیں۔اس صورتحال نے اوستہ محمد کے شہریوں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔عوامی حلقوں نے کمشنر نصیرآباد اور ڈپٹی کمشنر اوستہ محمد سے فوری ایکشن لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ پرائس کنٹرول کمیٹیوں کو فوری طور پر فعال کیا جائے، منافع خوروں کے خلاف سخت کریک ڈاؤن کیا جائے، اور عوام کو فوری ریلیف فراہم کیا جائے، تاکہ روزمرہ کی زندگی کو معمول پر لایا جا سکے۔

42

کیا گیا اور اب تک کئے گئے اقدامات کا جائزہ لیا گیا۔ڈپٹی کمشنر استا محمد رزاق خان نجک نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پولیو کا خاتمہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے، اس سلسلے میں والدین اپنے بچوں کو لازمی طور پر پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائیں تاکہ انہیں عمر بھر کی معذوری سے محفوظ رکھا جا سکے۔ انہوں نے محکمہ صحت کے افسران اور پولیو ورکرز کو ہدایت کی کہ مہم کے دوران کسی بھی قسم کی کوتاہی یا غفلت برداشت نہیں کی جائے گی، ہر بچے تک رسائی یقینی بنائی جائے اور تمام ٹیمیں اپنی کارکردگی کو موثر اور مربوط انداز میں جاری رکھیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت پولیو جیسے موذی مرض کے مکمل خاتمے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لا رہی ہے اور اس نیک مقصد کے حصول کے لئے ضلعی انتظامیہ، صحت کے اداروں اور سماجی تنظیموں کو باہمی تعاون اور ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنا ہوگا تاکہ آنے والی نسل کو پولیو سے پاک مستقبل فراہم کیا جا سکے۔

43

غیر جانبدار تحقیقات کی جا سکیں۔ذرائع کے مطابق غیر حاضر اساتذہ کے خلاف سخت اقدامات متوقع ہیں جن میں ملازمت سے برطرفی اور جبری ریٹائرمنٹ بھی شامل ہے۔ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر تازہ خان ناصر نے کہا کہ تعلیم کسی بھی قوم کا سرمایہ ہے، اساتذہ کی غیرحاضری ناقابل برداشت ہے اور غفلت برتنے والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔ مقامی عوامی اور سماجی حلقوں نے اس اقدام کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ فیصلہ علاقے کے طلبہ کے بہتر مستقبل اور معیاری تعلیم کے فروغ میں سنگ میل ثابت ہوگا۔

44

ہے کہ دونوں کو پشاور جلسے میں وزیراعلیٰ کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی سزا کے طور پر نکالا گیا ہے۔وزیراعلیٰ علی امین گنڈاپور نے پشاور جلسے کے فوراً بعد پیر کے روز اڈیالہ جیل میں بانی چیئرمین سے 2 گھنٹے طویل ملاقات کی تھی۔ترجمان خیبرپختونخوا حکومت کے مطابق علی امین نے عمران خان کو سیاسی اور حکومتی معاملات پر تفصیلی بریفنگ دی اور وزیراعلیٰ کو کابینہ کے حوالے سے کسی بھی فیصلے کا مکمل اختیار دیا گیا۔ملاقات کے بعد پشاور واپسی پر ہی کابینہ کے 2 اہم وزراء کے استعفے آئے، جنہیں علی امین نے کابینہ کی معمول کی رد و بدل کا حصہ قرار دیا لیکن اندرونی باخبر ذرائع اسے سیاسی انتقام بتا رہے ہیں۔

45

بھی قانونی حل ممکن ہوگا، حکومت عوام کے جائز مسائل کے حل میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہے۔وفاقی وزیر نے آزاد کشمیر کے محب وطن عوام کے جذبات کو تسلیم کرتے ہوئے علاقے میں پرامن رہنے اور تحمل کا مظاہرہ کرنے کی اپیل کی۔انہوں نے کہا کہ خطے اور دنیا بھر کی موجودہ صورتحال نہایت حساس ہے، کچھ قوتیں پاکستان میں بدامنی کا فائدہ اٹھا کر اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہیں، اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ایسے حالات پیدا نہ کریں جنہیں ملک کے امن اور استحکام کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ وفاقی وزیر نے یقین دلایا کہ وفاقی حکومت عوام کے مسائل و خدشات سے پوری طرح باخبر ہے اور انہیں پرامن اور تعمیری انداز میں حل کرنے کے لیے ہر ممکن اقدامات اٹھائے جائیں گے۔انہوں نے کہا کہ ہم آزاد کشمیر کے عوام کے جذبات کا احترام کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ان کے مسائل کو نظرانداز نہیں کیا جائے گا، ہماری امید ہے کہ باہمی مکالمے کے ذریعے تمام مسائل مثبت اور پرامن ماحول میں حل ہو جائیں گے۔

46

ہیں، جن کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔انہوں نے امید ظاہر کی کہ حاجی اسحاق مینگل آئندہ بھی شہر کی تعمیر و ترقی میں بھرپور کردار ادا کرتے رہیں گے۔

47

ترجمان نے واضح کیا کہ اسرائیلی کارروائی نہ صرف انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے بلکہ بے گناہ شہریوں کی زندگیاں بھی خطرے میں ڈال رہی ہے۔اسرائیل کی مسلسل جارحیت اور غیر قانونی ناکہ بندی سے 20 لاکھ سے زائد فلسطینی براہ راست متاثر ہو رہے ہیں۔ پاکستان نے اقوام متحدہ اور عالمی برادری سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسرائیل کو اس کے بار بار کیے جانے والے غیر قانونی اقدامات پر جوابدہ ٹھہرائے اور فلوٹیلا پر سوار تمام رضا کاروں کی فوری اور غیر مشروط رہائی کو یقینی بنایا جائے۔ دفتر خارجہ نے اپنے بیان میں فلسطینی عوام کے ساتھ پاکستان کی غیر متزلزل حمایت اور مکمل یکجہتی کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایک آزاد و خودمختار فلسطینی ریاست کے قیام کا حامی ہے جو 1967 سے پہلے کی سرحدوں پر مبنی ہو، اور القدس الشریف کو اس کا دارالحکومت تسلیم کیا جائے۔

48

پانی سے گزرنے لگے، متاثرین آمد و رفت کیلئے ڈرم کی کشتی کا استعمال کرنے پر مجبور ہیں، چک کہل کی 27 بستیاں اور 2350 ایکڑ رقبہ پر فصلیں مکمل طور پر سیلابی پانی سے متاثر ہیں۔ چک کہل میں تاحال سروے کا عمل شروع نہیں ہوسکا، مکانات منہدم ہونے سے متاثرین اپنے ہی گھروں میں کھلے آسمان تلے بیٹھے ہیں، مویشیوں کا چارہ نہ ہونے کے باعث شدید مشکلات کا سامنا ہے۔سیلاب متاثرین نے نقصانات کا سروے شروع کرنے اور راستے بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔ دوسری طرف جلالپور پیروالا میں سیلابی ریلے سے نقصان پہنچنے پر موٹروے ایم 5 بیسویں روز بھی بند ہے، سیلابی پانی موٹروے کے دونوں طرف موجود ہے تاہم انٹرچینج سے پانی اتر گیا۔سیلابی پانی کی سطح مزید کم ہوگئی ہے تاہم لودھراں روڈ، پرمٹ روڈ بحال نہ ہو سکے، متعدد نشیبی علاقوں میں سیلابی پانی کی صورتحال برقرار ہے۔

49

کیا ہے۔امریکی میڈیا رپورٹس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ امریکا روس میں توانائی انفراسٹرکچر پر طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائل حملوں کیلئے یوکرین کو انٹیلی جنس فراہم کرے گا۔ ٹرمپ انتظامیہ یوکرین کو طاقتور ہتھیار بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہے جو روس میں مزید اہداف کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ رپورٹس کے مطابق امریکی حکام نیٹو اتحادیوں سے بھی یوکرین کو اس قسم کی مدد فراہم کرنے کا کہہ رہے ہیں۔

50

سے ٹیلی فون پر بات بھی کرائی تھی۔اس گفتگو میں اسرائیلی وزیراعظم نے اپنے قطری ہم منصب سے حملے میں قطری گارڈ کی ہلاکت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کی تھی اور آئندہ ایسا نہ ہونے کی یقین دہانی کرائی تھی۔قومی سلامتی سے متعلق ایسی ہی یقین دہانیاں صدر ٹرمپ نے امیر قطر کو بھی کرائی تھیں اور آج ایک نئے ایگزیکٹو آرڈر پر بھی دستخط کر دیے۔اس ایگزیکٹو آرڈر میں کہا گیا کہ اگر قطر دوبارہ کسی بیرونی حملے کا نشانہ بنا تو امریکا نہ صرف اس کا دفاع کرے گا بلکہ جوابی فوجی کارروائی بھی کرے گا۔ ایگزیکٹو آرڈر میں صدر ٹرمپ نے کہا کہ امریکا اور قطر قریبی تعاون، مشترکہ مفادات اور مسلح افواج کے درمیان مضبوط تعلقات سے جڑے ہیں۔

51

کی بدولت آج امن قائم ہے اور ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہے گی۔کمانڈنٹ نے شہداء کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی اور کہا کہ ان کے اہل خانہ کی دیکھ بھال اور فلاح و بہبود کے لیے مزید اقدامات کیے جائیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ 30 ستمبر 2025 کو ایف سی ہیڈکوارٹرز میں ہونے والے دہشت گرد حملے میں شہید ہونے والے جوانوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور پوری فورس ان کے ورثاء کے ساتھ کھڑی ہے۔ کمانڈنٹ بلوچستان کانسٹیبلری نے جوانوں کی جانفشانی اور قربانیوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ ان کی بدولت عوام کا اعتماد پولیس اور سیکیورٹی اداروں پر قائم ہے۔انہوں نے واضح کیا کہ بلوچستان پولیس ہر قیمت پر عوام کی جان و مال کی حفاظت کرے گی اور اس مقصد کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہے۔اجلاس میں بی سی کے تمام جوانوں کی حاضری یقینی بنانے پر زور دیا گیا۔کمانڈنٹ نے کہا کہ کسی بھی غیر حاضری یا ڈیوٹی میں غفلت کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا اور اس حوالے سے سخت ایکشن لیا جائے گا۔اس مقصد کے لیے نئے ایس او پیز (SOPs) وضع کیے گئے ہیں تاکہ ڈیوٹی کے دوران نظم و ضبط قائم رہے اور ہر اہلکار اپنی ذمہ داریاں مؤثر انداز میں ادا کرے۔انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جوانوں کے مسائل اور فلاحی اقدامات کے لیے موثر حکمت عملی اپنائی جائے۔ ہر زونل کمانڈر کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے جوانوں کے مسائل کو فوری طور پر رپورٹ کریں تاکہ ان کا بروقت ازالہ کیا جا سکے۔کمانڈنٹ نے کہا کہ آئندہ تمام زونز کے افسران اور جوانوں کو اپنی ذمہ داریاں بروقت اور ایمانداری سے ادا کرنا ہوں گی۔ بی سی کے ہر زون میں ڈیوٹی کے دوران حاضری رجسٹر کی باقاعدہ جانچ پڑتال ہوگی اور رپورٹ براہ راست کمانڈنٹ کو ارسال کی جائے گی۔انہوں نے مزید کہا کہ اس وقت بی سی کے ہیڈکوارٹر میں تعینات عملے کی تعداد 25 ہے، جو اپنی ذمہ داریاں بھرپور طریقے سے ادا کر رہا ہے۔تاہم آئندہ اس میں مزید بہتری لانے کی ضرورت ہے۔کمانڈنٹ بلوچستان کانسٹیبلری نے آخر میں کہا کہ بلوچستان پولیس اور بی سی کے جوان صوبے بھر میں امن قائم رکھنے کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔عوام کا تحفظ اور سیکیورٹی فورسز کی قربانیاں ہی بلوچستان پولیس کا اصل سرمایہ ہیں۔

52

پولیس کے مطابق فلپائن کے وسطی جزیرے سیبو میں گزشتہ رات 6 اعشاریہ 9 شدت کا زلزلہ آیا تھا جس کے بعد پورے صوبائی جزیرے سیبو پر ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی تھی۔زلزلے کے بعد اب تک 700 سے زائد آفٹر شاکس محسوس کیے جا چکے ہیں۔غیرملکی میڈیا کے مطابق اس زلزلے سے ساحلی شہر بوگو بہت متاثر ہوا ہے۔فلپائنی حکام کا کہنا ہے کہ ملبے تلے دبے افراد کو ریسکیو کرنے کے لیے آپریشن جاری ہے، متاثرہ علاقوں میں بھاری مشینریز کی مدد بھی لی جا رہی ہے۔

53

سخت مذمت کی ہے۔شہوا کے مطابق ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان اسماعیل بقائی نے جمعرات کو جاری کردہ ایک بیان میں کہا کہ اسرائیل کا یہ اقدام بین الاقوامی قوانین کی کھلی خلاف ورزی اور دہشت گردی پر مبنی کارروائی ہے۔یہ بیان اس وقت سامنے آیا جب اسرائیل نے گزشتہ روز تصدیق کی کہ اس نے گلوبل صمود فلوٹیلا کی کئی کشتیوں کو بحیرہ روم میں روک کر ان کے مسافروں کو ایک اسرائیلی بندرگاہ منتقل کر دیا ہے۔ ترجمان نے اسرائیل کے اس اقدام کو فلسطینی عوام کی حمایت میں سرگرم عالمی کارکنوں پر بار بار حملہ قرار دیا اور کہا کہ یہ قافلہ غزہ کی مظلوم عوام کی حمایت میں ایک انسانی اور اخلاقی کوشش تھی، جسے طاقت کے ذریعے روکنا انسانیت سوز عمل ہے۔واضح رہے اس قافلے میں 50 سے زائد بحری جہاز اور 500 سے زیادہ رضا کار شامل تھے جو 40 سے زائد ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔قافلے کا مقصد اسرائیل کی بحری ناکہ بندی کو چیلنج کرنا اور غزہ کے عوام تک خوراک اور طبی امداد پہنچانا تھا۔ایران نے بین الاقوامی کارکنوں اور عوامی تنظیموں کی اس کوشش کو سراہتے ہوئے کہا کہ یہ جذبہ عالمی ضمیر کا مظہر ہے، جو غزہ کے عوام پر مسلط محاصرے کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

54

کے ذریعے طویل سفر کرنا پڑتا ہے۔علی نواز ابڑو نے کہا کہ صدام کوچ کے ڈرائیور اور منشی مسافروں کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں اور باریش افراد کی بار بار درخواست کے باوجود گاڑی کو مقررہ مقامات پر نہیں روکتے، جو کہ کھلی غنڈہ گردی ہے۔ان کے مطابق ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوچ عملے کی رکشہ ڈرائیوروں سے ملی بھگت ہے تاکہ مسافروں کو اڈے پر اتار کر رکشوں کے ذریعے منہ مانگے کرایے وصول کیے جائیں۔انہوں نے کہا کہ برسوں سے کوئٹہ، سبی اور جیکب آباد کے روٹ پر چلنے والی ناکارہ کوچز میں نہ کوئی سہولت موجود ہے اور نہ ہی مسافروں کی سلامتی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مہنگے کرایے وصول کرنے کے باوجود مسافروں، بچوں اور بزرگوں کو گاڑی کی چھتوں پر بٹھایا جاتا ہے، جس سے ان کی قیمتی جانوں سے کھیلا جا رہا ہے۔پیپلز پارٹی کے رہنما نے وزیراعلیٰ بلوچستان، چیف سیکرٹری بلوچستان، کمشنر سبی، کمشنر نصیرآباد اور متعلقہ ضلعی انتظامیہ سے پرزور مطالبہ کیا کہ صدام کوچ کے عملے کی من مانیوں اور مسافروں کے ساتھ بدسلوکی کا فوری نوٹس لیا جائے، روٹ پرمٹ منسوخ کیا جائے اور ذمہ داران کے خلاف سخت احتسابی کارروائی عمل میں لائی جائے۔

55

ماسٹر سمیع اللہ رند اور دیگر کی موجودگی میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے میر جمیل رند نے کہا کہ بجلی اور گیس کی بندش، پانی کی قلت اور دیگر مسائل نے عوام کی زندگی اجیرن بنا دی ہے۔ دیہی علاقوں میں لوگ پینے کے صاف پانی کے لئے ترس رہے ہیں جبکہ شہروں میں لوڈشیڈنگ نے کاروباری طبقے کو تباہ کر دیا ہے۔انہوں نے کہا کہ نوجوان طبقہ سب سے زیادہ مایوسی اور پریشانی کا شکار ہے، روزگار کے مواقع نہ ہونے کے باعث نوجوان یا تو بیروزگار ہیں یا پھر حالات کے رحم و کرم پر بیرون ملک جانے پر مجبور ہیں۔ اگر حکومت نے نوجوانوں کے مسائل کے حل کے لیے فوری اقدامات نہ کیے تو آنے والے وقت میں معاشرتی بے چینی مزید بڑھ سکتی ہے۔میر جمیل رند نے کہا کہ عوام اب محض وعدوں اور اعلانات سے مطمئن نہیں ہوں گے، وقت کا تقاضا ہے کہ عملی اقدامات کیے جائیں۔ مہنگائی پر قابو پانے، بیروزگاری ختم کرنے، بجلی و گیس کی بلاتعطل فراہمی اور پانی کے بحران کے حل کے لئے حکومت کو سنجیدہ اور ٹھوس حکمت عملی اپنانا ہوگی۔ بصورت دیگر عوامی غصہ اور ردعمل روکنا ممکن نہیں ہوگا۔

56

پر پابندی عائد کر کے دفعہ 144 نافذ کی گئی، لیکن انتظامیہ کی غفلت کے باعث اس پر کوئی عمل درآمد نہ ہوسکا جس کے نتیجے میں قیمتی جانوں کا ضیاع معمول بن چکا ہے۔

57

ڈیجیٹل اکاؤنٹس کے ذریعے زکوٰۃ کی رقوم منتقل کی جاسکیں اس حوالے سے اتفاق رائے کیا گیا کہ زکوٰۃ کی تقسیم میں شفافیت، میرٹ اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال یقینی بنایا جائے گا وزیراعلیٰ میر سرفراز بگٹی نے اس موقع پر کہا کہ زکوٰۃ کے فنڈز مستحقین تک مؤثر انداز میں پہنچانے کے لیے بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کی معاونت حاصل کی جائے گی، جبکہ مستحق افراد کی درست شناخت کے لیے نادرا ڈیٹا اور جدید ڈیجیٹل سسٹم استعمال ہوں گے انہوں نے کہا کہ اس نظام سے کرپشن، بدعنوانی اور بے ضابطگیوں کا خاتمہ ہوگا اور عوام کا اعتماد بحال ہوگا وزیراعلیٰ نے کہا کہ زکوٰۃ فنڈز کے موثر اور منصفانہ استعمال سے معاشرتی انصاف کو فروغ ملے گا اور حقیقی مستحقین براہ راست مستفید ہوں گے انہوں نے واضح کیا کہ حکومت کی اولین ترجیح شفافیت اور میرٹ پر مبنی نظام کی تشکیل ہے تاکہ صوبے کے غریب اور نادار طبقے کو زیادہ سے زیادہ ریلیف فراہم کیا جاسکے اجلاس میں صوبائی وزیر میر محمد صادق عمرانی، پارلیمانی سیکرٹری برائے زکو محترمہ شہناز عمرانی، پرنسپل سیکرٹری بابر خان، سیکرٹری زکوٰۃ و اوقاف محمد اسحاق جمالی، سیکرٹری خزانہ عمران زرکون اور ایڈیشنل سیکرٹری چیف منسٹر سیکرٹریٹ محمد فریدون نے شرکت کی۔

58

میں مصطفیٰ کمال نے کہا کہ پاکستان اور عمان کے مابین مضبوط برادرانہ تعلقات ہیں۔ انہوں نے صحت کے شعبے میں جاری اصلاحات اور ویکسین کی مقامی طور پر تیاری کے بارے حکومتی اقدامات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی صحت کے مختلف شعبوں میں مل کر کام کرنے پر اتفاق کیا۔وزیرصحت نے کہا کہ فارماسیوٹیکل شعبے میں تکنیکی اشتراک سے ایک دوسرے سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں، پاکستان ویکسین کی مقامی تیاری کیلئے پرعزم ہے، ہیلتھ کیئر اسٹاف اور میڈیکل فریشنز کے شعبے ایک دوسرے کے تجربات سے مستفید ہوسکتے ہیں۔اس موقع پر عمان کے سفیر فہد خلف الخروصی نے پاکستان کے طبی شعبے کی مہارت کو قابل تحسین قرار دیا۔انہوں نے کہا کہ سلطنت عمان نرسنگ اور میڈیکل اسپیشلسٹس سمیت ہنرمند طبی عملے کی خدمات حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔انہوں نے طبی تعلیم، پیشہ ورانہ تربیت اور ماہرین کے باقاعدہ تبادلے کی اہمیت پر زور دیا۔اس پر مصطفیٰ کمال نے کہا کہ اس سے دونوں ممالک کے صحت کے میدان میں اشتراک عمل کو مزید مستحکم کرنے میں مدد ملے گی۔

59

عائد ڈیوٹی کے علاوہ ہوگی۔نوٹی فکیشن میں کہا گیا کہ یہ اضافی ریگولیٹری ڈیوٹی 30 جون 2026 تک نافذ العمل رہے گی جب کہ آئندہ سال 30 جون کے بعد یہ ڈیوٹی ہر سال 10 فیصد کم کی جائے گی اور یہ ڈیوٹی 30-2029 تک مکمل طور پر ختم کر دی جائے گی۔یاد رہے کہ وفاقی حکومت نے استعمال شدہ گاڑیوں کی کمرشل درآمد کی اجازت دے رکھی ہے۔

60

بابو عبداللطیف کھوسہ، آرگنائزر حاجی محمد نواز سرپرہ، سینئر نائب صدر ظہور احمد کورار سمیت جمیل احمد سیال، محمد اقبال منجھو، سلطان احمد عمرانی، محمد آصف ابڑو، غلام شبیر ابڑو، نوریز خان عمرانی، دوست محمد مینگل، نور محمد مینگل اور دائم علی جکھرانی نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا کہ سوشل میڈیا پر "عوامی ترجمان" نامی پیج کے ذریعے محکمہ تعلیم اور افسران کے خلاف بے بنیاد الزامات لگائے جا رہے ہیں، جس کا مقصد صرف اور صرف بدنامی ہے۔انہوں نے واضح کیا کہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر نصیرآباد عبدالحمید ابڑو ایک فرض شناس اور ایماندار افسر ہیں۔ ان کی کوششوں سے نصیرآباد کے 120 میں سے 102 بند اسکولز دوبارہ کھولے گئے، جو قابلِ ستائش اقدام ہے۔جی ٹی اے عہدیداران نے کہا کہ نوہائی اسکولز کی بندش کی خبر جھوٹی اور بے بنیاد ہے، نصیرآباد کے تمام پرائمری، مڈل اور ہائی اسکولز کھلے ہوئے ہیں۔جی ٹی اے عہدیداران نے کمشنر نصیرآباد ڈویژن اور ڈپٹی کمشنر نصیرآباد سے مطالبہ کیا ہے کہ ایسے نام نہاد سوشل ورکرز اور منفی پروپیگنڈہ کرنے والے سوشل میڈیا پیجز کے خلاف پیکا ایکٹ کے تحت قانونی کارروائی کی جائے

بلوچستان میں پہلا میڈیکل ڈینٹل اور نرسنگ کالج قائم کرنے کا معاہدہ طے پا گیا

ہر سال 100 طلبہ کو داخلے، 16 ہونہار طلبہ کو مکمل اسکالرشپ دی جائے گی بیرون ملک معیار کی تعلیم مقامی سطح پر میسر آئے گی

نوجوانوں کو عالمی معیار کی طبی تعلیم فراہم کر کے مستقبل کے ڈاکٹرز اور نرسز تیار ہوں گے، وزیر اعلیٰ میر سرفراز بگٹی

کوئٹہ (یو این اے) بلوچستان میں معیاری طبی تعلیم کے فروغ کے لئے حکومت بلوچستان اور ہارلے ہیلتھ کیئر سروسز کے مابین معاہدہ طے پا گیا۔ معاہدے کے تحت پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ کے ذریعے صوبے کا پہلا میڈیکل، ڈینٹل اور نرسنگ کالج قائم کیا جائے گا جو بلوچستان میں معیاری اور اعلیٰ سطح کی طبی تعلیم کے نئے دور کا آغاز ثابت ہوگا وزیر اعلیٰ بلوچستان کو دی گئی بریفنگ میں بتایا گیا کہ اس کالج کے تحت ہر سال 100 طالب علموں کو میڈیکل، ڈینٹل، نرسنگ اور الائیڈ سائنسز کی تعلیم فراہم کی جائے گی جس میں ہر سال 16 ہونہار طالب علموں کو مکمل اسکالرشپ بھی دی جائے گی مرحلہ وار اس منصوبے کو وسعت دے کر تعلیمی اہداف 600 طالب علموں تک بڑھائے جائیں گے وزیر اعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی (باقی صفحہ 5 نمبر30)

اسلام آباد، وفاقی وزیر تعلیم خالد مقبول صدیقی سے پاکستان میں تعینات عمان کے سفیر فہد سلیمان ملاقات کر رہے ہیں

وزیر اعظم کا آزاد کشمیر میں پر تشدد واقعات کی تحقیقات کا حکم، عوام سے پر امن رہنے کی اپیل

اسلام آباد (یو این اے) وزیر اعظم محمد شہباز شریف نے آزاد کشمیر کی صورتحال پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے سخت نوٹس لے لیا، شہریوں سے پر امن رہنے کی پرزور اپیل کردی۔ وزیر اعظم محمد شہباز شریف نے کہا کہ پر امن احتجاج ہر شہری کا آئینی و جمہوری حق ہے تاہم مظاہرین امن عامہ کو نقصان پہنچانے سے گریز کریں، وزیر اعظم نے ہدایت کی کہ قانون نافذ کرنے (باقی صفحہ 5 نمبر29)

جامعہ بلوچستان میں اساتذہ کا یوم سیاہ چوتھے روز بھی جاری

منظور شدہ الاونسز کی غیر قانونی کٹوتی اور اساتذہ کی خالی آسامیوں کو مشتہر نہ کرنا ناانصافی ہے، اکیڈمک اسٹاف ایسوسی ایشن

کوئٹہ (یو این اے) جامعہ بلوچستان کے اساتذہ نے منظور شدہ آپ گریڈیشن کی عدم فراہمی، خالی آسامیوں کی تشہیر نہ ہونے، منظور شدہ الاونسز کی غیر قانونی کٹوتی، اور ریٹائرڈ اساتذہ و ملازمین کو پینشنز و بقایاجات کی عدم ادائیگی کے خلاف یوم سیاہ چوتھے روز بھی منایا۔ اکیڈمک اسٹاف ایسوسی ایشن کے صدر پروفیسر ڈاکٹر کلیم اللہ بڑیچ، نائب صدر ڈاکٹر شبیر احمد شاہوانی، پریس (باقی صفحہ 5 نمبر17)

خضدار کی تجارتی صلاحیت کو اجاگر کرنے کیلئے تاجر برادری کی ڈپٹی کمشنر سے ملاقات

شہر کو روزگار اور کاروبار کا مرکز بنانے کے لئے ہنر مندی پروگرام اور حکومتی تعاون ناگزیر ہے، تاجران

خضدار (یو این اے) ڈپٹی کمشنر خضدار یاسر اقبال دشتی سے ان کے دفتر میں معروف کاروباری شخصیت حاجی غلام حسین کرد اور انجمن تاجران خضدار کے صدر حافظ حمید اللہ مینگل نے ملاقات کی۔ ملاقات کا بنیادی مقصد خضدار کی تجارتی صلاحیت کو اجاگر کرتے ہوئے تجارت اور روزگار کے مواقع کو وسعت دینے کے لئے حکومتی تعاون حاصل کرنا تھا۔ اس موقع (باقی صفحہ 5 نمبر18)

جی ٹی اے نصیر آباد کا محکمہ تعلیم اور اساتذہ کے خلاف منفی پروپیگنڈے پر شدید ردِعمل

نام نہاد سوشل ورکرز جھوٹا پروپیگنڈہ بند کریں، ڈی ای او عبدالحمید ابڑو کے اقدامات قابلِ تحسین ہیں

نصیر آباد (یو این اے) گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن (جی ٹی اے) نصیر آباد کے عہدیداران نے محکمہ ایجوکیشن کے افسران اور اساتذہ کے خلاف چند نام نہاد سوشل ورکرز کی جانب سے چلائے جانے والے منفی پروپیگنڈے کو سخت الفاظ میں مسترد کرتے ہوئے شدید مذمت کی ہے۔ جی ٹی اے نصیر آباد کے صدر میر مقبول احمد عمرانی، جنرل سیکریٹری مٹھا خان سیال، چیئرمین (باقی صفحہ 5 نمبر20)

پاکستان نے آزادی کشمیر کیلئے اپنا وجود داؤ پر لگایا اور لگائیں گے، خواجہ آصف

آزاد کشمیر کے عوام سے پر امن رہیں، مظاہرین مقبوضہ کشمیر کی 3 نسلوں کی جدوجہد پر غور کریں، وزیر دفاع

جو آپ کو میسر ہے اس کے عشر عشیر کا بھی وہ تصور نہیں کر سکتے، آزاد کشمیر کے عوام سے پر امن رہنے کی اپیل

اسلام آباد (جی این ایم) وزیر دفاع خواجہ آصف نے آزاد کشمیر کے عوام سے پر امن رہنے کی اپیل کی ہے۔ اپنے ایکس اکاؤنٹ پر جاری پیغام میں وزیر دفاع خواجہ آصف کا کہنا ہے کہ آزاد کشمیر میں احتجاج کرنے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر کی تین نسلوں کی جدوجہد پر غور کریں، جو آپ کو میسر ہے اسکا عشر عشیر کا بھی وہ تصور نہیں کر سکتے، وہ کشمیر کی آزادی کی تاریخ اپنے خون سے لکھ رہے ہیں۔ وزیر دفاع نے کہا کہ اس جدوجہد میں ایک نسل جیلوں میں جوانی سے بڑھاپے میں پہنچ گئی، پھانسی چڑھ گئے سینے پہ گولیاں کھائیں پاکستان سے محبت کی ہر روز قیمت ادا کرتے ہیں، کشمیر کی جنگوں میں شہید ہونے والے فوجیوں میں پنجابی، پختون، بلوچ، سندھی گلگتی اور بلتی شامل ہیں، پاکستان نے اپنا وجود کشمیر کی آزادی کے لئے (باقی صفحہ 5 نمبر16)

کوئٹہ، صوبائی مشیر ترقی نسواں ڈاکٹر ربابہ بلیدی انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ کا دورہ کر رہی ہیں

استعمال شدہ گاڑیوں کی درآمد پر 40 فیصد اضافی ریگولیٹری ڈیوٹی عائد

اسلام آباد (جی این ایم) وفاقی حکومت نے استعمال شدہ گاڑیوں کی درآمد پر 40 فیصد اضافی ریگولیٹری ڈیوٹی عائد کردی، کابینہ کی منظوری کے بعد فیڈرل بورڈ آف ریونیو (ایف بی آر) نے نوٹیفکیشن بھی جاری کردیا۔ وفاقی حکومت کی جانب سے جاری نوٹیفکیشن کے مطابق استعمال شدہ گاڑیوں کی کمرشل درآمد پر 40 فیصد اضافی ڈیوٹی لگے گی، یہ ریگولیٹری ڈیوٹی پہلے سے (باقی صفحہ 5 نمبر19)

26 نومبر احتجاج میں مبینہ ہلاکتوں پر درخواست کی سماعت بغیر کارروائی ملتوی

چیئرمین پی ٹی آئی بیرسٹر گوہر نے آج بھی ابتدائی بیان ریکارڈ نہیں کروایا

اسلام آباد (سی ایم لنکس) ڈسٹرکٹ سیشن کورٹ اسلام آباد میں پی ٹی آئی کی 26 نومبر احتجاج میں مبینہ ہلاکتوں پر دائر درخواست پر سماعت بغیر کارروائی ملتوی کردی گئی۔ پی ٹی آئی کی وزیر اعظم شہباز شریف، وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی اور دیگر کیخلاف درخواست پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ناصر جاوید رانا نے سماعت کی، بیرسٹر گوہر نے بتایا کہ ان کو وکیل لطیف کھوسہ لاہور میں (باقی صفحہ 5 نمبر27)

افغانستان میں دو روزہ مکمل بلیک آؤٹ کے بعد موبائل فون سروس اور انٹرنیٹ بحال

عوام بڑی تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے، گاڑیوں کے ہارن بجائے اور خوشی کا اظہار

کابل (یو این اے) افغانستان میں دو دن کے مکمل بلیک آؤٹ کے بعد ملک بھر میں موبائل فون سروس اور انٹرنیٹ بحال کر دیئے گئے۔ طالبان حکومت نے بغیر کسی پیشگی اعلان کے پیر کی شب پورے ملک میں ٹیلی کمیونی کیشن بند کر دی تھی، جس سے کاروبار، تعلیمی سرگرمیاں اور عوامی رابطے منجمد ہو گئے تھے۔ رپورٹس کے مطابق سگنلز اور وائی فائی کابل سمیت قندھار، خوست، (باقی صفحہ 5 نمبر25)

کراچی؛ پلاٹس کے تنازع پر فائرنگ سے 2 افراد جاں بحق

ملزمان نے مقتول جاوید عباسی کے بیٹے پر بھی فائرنگ کی لیکن وہ خوش قسمتی سے بچ گیا، ایس ایچ او

کراچی (سی ایم لنکس) موچکو حب ریور روڈ حاجی خواستی گوٹھ کے قریب پلاٹوں کے تنازع پر فائرنگ سے 2 افراد جاں بحق ہوگئے۔ پولیس کے مطابق فائرنگ رافع نامی ملزم اور اس کے موٹر سائیکل سوار ساتھیوں کی جانب سے کی گئی، فائرنگ کے واقعے کے بعد ملزمان موقع سے فرار ہوگئے۔ تفصیلات کے مطابق موچکو تھانے کے علاقے حب ریور روڈ حاجی خواستی گوٹھ کے قریب (باقی صفحہ 5 نمبر21)

پاکستان کی انڈونیشیا اور فلپائن میں زلزلوں سے قیمتی جانوں کے ضیاع پر گہرے رنج و غم کا اظہار

قدرتی آفات کے ان لمحات میں پاکستان اپنے برادر ممالک کے ساتھ کھڑا ہے، ترجمان دفتر خارجہ

اسلام آباد (جی این ایم) پاکستان نے انڈونیشیا اور فلپائن میں حالیہ زلزلوں کے نتیجے میں قیمتی انسانی جانوں کے ضیاع پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے۔ ترجمان دفتر خارجہ کی جانب سے جاری تعزیتی بیان میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کی حکومت اور عوام اس مشکل وقت میں انڈونیشیا اور فلپائن کے برادر عوام کے ساتھ مکمل یکجہتی اور دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ (باقی صفحہ 5 نمبر22)

استنبول میں 5.0 شدت کا زلزلہ، شہری خوفزدہ ہو کر گھروں سے نکل آئے

چند سیکنڈ تک محسوس کیے گئے زلزلے کے جھٹکوں میں کسی جانی، مالی نقصان کی اطلاع نہیں ملی

استنبول (جی این ایم) ترکی کے سب سے بڑے شہر استنبول میں 5.0 شدت کا زلزلہ محسوس کیا گیا جس سے عمارتیں لرز اٹھیں اور خوفزدہ شہری گھبرا کر سڑکوں پر نکل آئے۔ ترک ڈیزاسٹر ایجنسی کے مطابق زلزلے کا مرکز مرمرہ سمندر میں استنبول کے جنوب مغرب میں واقع تھا۔ یہ وہی فالٹ لائن ہے جسے طویل عرصے سے استنبول جیسے 16 ملین آبادی والے شہر کے لیے (باقی صفحہ 5 نمبر28)

پاکستان میں ایک اور ملٹی نیشنل کمپنی کا اپنا بزنس ختم کرنے کا اعلان

خطے کے دیگر ملکوں سے تیار کردہ مصنوعات ڈسٹری بیوٹر ماڈل کے ذریعے صارفین تک پہنچائی جائیں گی، اعلامیہ

اسلام آباد (جی این ایم) کنزیومر مصنوعات بنانے والی ملٹی نیشنل کمپنی پراکٹر اینڈ گیمبل نے بھی پاکستان میں مینوفیکچرنگ بند کرنے کا اعلان کردیا۔ کمپنی کے جاری اعلامیہ کے مطابق خطے کے دیگر ملکوں سے تیار کردہ مصنوعات ڈسٹری بیوٹر ماڈل کے ذریعے صارفین تک پہنچائی جائیں گی۔ کمپنی کے جاری کردہ بیان کے مطابق پی اینڈ جی نے اپنی عالمی حکمتِ عملی کے تحت ترقی اور (باقی صفحہ 5 نمبر26)

ملک کے دو ایئرپورٹس نمایاں کارکردگی میں سرفہرست

پی اے اے نے سالانہ کارکردگی آڈٹ کے نتائج کا اعلان کردیا

کراچی (سی ایم لنکس) پاکستان ایئرپورٹس اتھارٹی (پی اے اے) آڈٹ 2024 میں اسلام آباد اور ملتان انٹرنیشنل ایئرپورٹس نمایاں کارکردگی پر سرفہرست قرار پائے گئے ہیں۔ پی اے اے نے سالانہ کارکردگی آڈٹ کے نتائج کا اعلان کردیا جس کے مطابق اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ بڑے مراکز میں سب سے آگے رہا جبکہ ملتان انٹرنیشنل ایئرپورٹ کو علاقائی (باقی صفحہ 5 نمبر24)

پی ٹی سی ایل کو ٹیلی نار پاکستان کے حصول کی منظوری، مسابقتی کمیشن کا بڑا فیصلہ

ٹیلی کام سیکٹر کے استحکام اور صارفین کو بہترین سہولیات کی فراہمی کی جانب اہم سنگ میل، پی ٹی سی ایل

اسلام آباد (یو این اے) مسابقتی کمیشن آف پاکستان (سی سی پی) نے پی ٹی سی ایل کو ٹیلی نار پاکستان کے حصول کی منظوری دے دی ہے۔ پی ٹی سی ایل نے کمیشن کی جانب سے ریگولیٹری جائزے کے دوسرے مرحلے کی تکمیل اور منظوری پر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ فیصلہ پاکستان کے ٹیلی کام سیکٹر کے مستقبل اور طویل مدتی پائیداری کے لیے اہم قدم ہے۔ پی ٹی سی ایل (باقی صفحہ 5 نمبر23)

کوئٹہ، چیف سیکریٹری بلوچستان شکیل قادر خان اسٹریٹجک پروجیکٹس کے حوالے سے منعقدہ اجلاس کی بذریعہ ویڈیو لنک صدارت کر رہے ہیں

کچھ قوتیں پاکستان میں بدامنی کا فائدہ اٹھا کر اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہیں، احسن اقبال

حکومت آزاد کشمیر میں احتجاج مسائل کو مکالمے اور قانونی راستوں سے حل کرنے کیلئے پر عزم ہے، وفاقی وزیر

امید ہے کہ باہمی مکالمے کے ذریعے تمام مسائل مثبت اور پر امن ماحول میں حل ہو جائیں گے، میڈیا سے گفتگو

اسلام آباد (یو این اے) وفاقی وزیر منصوبہ بندی، ترقی و خصوصی اقدامات پروفیسر احسن اقبال نے کہا ہے کہ حکومت آزاد جموں و کشمیر میں جاری احتجاج اور مسائل کو مکالمے اور قانونی راستوں سے حل کرنے کیلئے پر عزم ہے، امید ہے کہ باہمی مکالمے کے ذریعے تمام مسائل مثبت اور پر امن ماحول میں حل ہو جائیں گے۔ جمعرات کو مظفر آباد روانگی سے قبل میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے وفاقی وزیر نے کہا کہ وزیر اعظم محمد شہباز شریف کی جانب سے ایک اعلیٰ سطح کی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو زمینی صورتحال کا جائزہ لے گی اور آزاد کشمیر میں شراکت داروں سے ملاقاتیں کریں گی۔ انہوں نے کہا کہ ہم مظفر آباد کا اعلیٰ سطح کا دورہ کر رہے ہیں تا کہ صورتحال کا قریب سے جائزہ لیا جا سکے اور عوام سے براہ راست بات چیت کی جا سکے، جہاں (باقی صفحہ 5 نمبر45)

کوئٹہ، وزیر اعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی سے اراکین اسمبلی اجلاس سے قبل بات چیت کر رہے ہیں

خیبر پختونخوا کابینہ میں تبدیلی، پی ٹی آئی کے سرکردہ رہنما علی امین گنڈاپور کے نشانے پر

پشاور (یو این اے) کارکردگی کے نام پر خیبر پختونخوا کابینہ سے نکالے گئے ممبران کا پشاور جلسے کے واقعات سے کیا تعلق ہے؟ اصل معاملہ کیا ہے؟ وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا علی امین گنڈاپور نے بانی چیئرمین پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) سے ملاقات کے بعد کابینہ کی کارکردگی اور ردوبدل کے نام پر 2 اہم وزرا سے استعفیٰ لیا۔ تاہم، پارٹی کے اندرونی معاملات سے باخبر رہنماؤں کا دعویٰ (باقی صفحہ 5 نمبر44)

سینیٹ اور پنجاب اسمبلی کی خالی نشستوں پر انتخابات کا شیڈول جاری

سینیٹر شبلی فراز کی نااہلی سے خالی نشست پر الیکشن 30 اکتوبر ہوگا

اسلام آباد (جی این ایم) الیکشن کمیشن آف پاکستان نے خیبر پختونخوا سے سینیٹ اور پنجاب اسمبلی کی خالی نشستوں پر انتخابات کی تاریخوں کا اعلان کردیا۔ الیکشن کمیشن کی جانب سے جاری کیے گئے نوٹیفکیشن کے مطابق کے پی میں پی ٹی آئی کے اپوزیشن لیڈر سابق سینیٹر شبلی فراز کی خالی ہونیوالی نشست پر انتخاب 30 اکتوبر کو ہوگا شبلی فراز کو عدالت سے سزا ہونے کے بعد نااہل قرار دیا (باقی صفحہ 5 نمبر31)

عظمیٰ بخاری نے شرمیلا فاروقی کو مناظرے کا چیلنج دے دیا

آپ 17 سال میں اپنے 17 عوامی فلاح کے منصوبوں کو نہیں گنوا سکتے، وزیر اطلاعات پنجاب

لاہور (جی این ایم) وزیر اطلاعات پنجاب عظمیٰ بخاری نے پی پی رہنما شرمیلا فاروقی کے بیان پر ان کو مناظرے کا چیلنج دے دیا۔ اپنے ایک بیان میں پنجاب عظمیٰ بخاری نے کہا کہ پیپلز پارٹی کی سندھ میں 17 سال سے حکومت ہے اور مریم نواز کی پنجاب میں حکومت کو 2 سال بھی مکمل نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ 17 سال میں اپنے 17 عوامی فلاح کے منصوبوں (باقی صفحہ 5 نمبر32)

غزہ جنگ کے تناظر میں اسرائیل پر دباؤ بڑھانے کی یورپی کمیشن کی تجویز مشکل مرحلے میں

اسرائیلی برآمدات معطل کرنے کی حمایت حاصل کرنا آسان نہیں ہوگا، یورپی ٹریڈ کمشنر

برسلز (جی این ایم) یورپی یونین کے ٹریڈ کمشنر ماروش شیفچووچ نے کہا ہے کہ غزہ جنگ کے تناظر میں اسرائیلی اشیاء کی برآمدات سے متعلق تجارتی انتظام معطل کرنے کے لیے یورپی کمیشن کی تجاویز کو منظور کرانا آسان نہیں ہوگا۔ جمعرات کو آئرلینڈ کی پارلیمانی کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کونسل میں اس کے لیے کوالیفائیڈ میجاریٹی درکار ہوگی، اور میں نہیں (باقی صفحہ 5 نمبر33)

سلامتی کونسل غزہ میں خونریزی روکنے میں پھر ناکام رہی، عاصم افتخار

فلسطینی عوام اپنی تقدیر کے خود مالک ہیں اور ان کی تقدیر آزادی ہے، فلسطینیوں کو اب ان کے حق خودارادیت سے محروم نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی قیام امن کو اب مزید مؤخر کیا جا سکتا ہے

پاکستان، فلسطینی عوام کے ساتھ یکجہتی میں ہمیشہ ثابت قدم رہے گا غزہ میں جاری تباہی اور انسانی بحران پر عالمی برادری کی خاموشی افسوس ناک ہے، پاکستانی مستقل مندوب

جنیوا (یو این اے) اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب عاصم افتخار احمد نے کہا ہے کہ سلامتی کونسل غزہ میں جاری خونریزی روکنے میں ایک بار پھر ناکام رہی ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کے مسئلے پر ہونے والے ویڈیو مباحثے میں مستقل مندوب عاصم افتخار احمد کا کہنا تھا کہ فلسطینی عوام اپنی تقدیر کے خود مالک ہیں اور ان کی تقدیر آزادی ہے، فلسطینیوں کو اب ان کے حق خودارادیت سے محروم نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی قیام امن کو اب مزید مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان، فلسطینی عوام کے ساتھ یکجہتی میں ہمیشہ ثابت قدم رہے گا۔ عاصم افتخار نے سلامتی کونسل کے اجلاس سے خطاب میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی عرب اور او آئی سی رہنماں کے ساتھ حالیہ مشاورت کا بھی خیر مقدم کیا، (باقی صفحہ 5 نمبر34)

کوئٹہ، صوبائی وزیر سردار عبدالرحمان کھیتران سے صوبائی وزیر طارق مگسی ملاقات کر رہے ہیں

اسرائیلی حملے میں ہمارے 2 شہری شہید ہوئے: لبنان

بیروت (سی ایم لنکس) لبنانی وزیر صحت نے بتایا کہ ان کے 2 شہری ملک کے جنوبی حصوں پر اسرائیلی حملے میں شہید ہوگئے ہیں۔ عرب میڈیا کے مطابق لبنان کے وزیر صحت نے بتایا کہ اسرائیل نے جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنوبی لبنان میں حملہ کر کے 2 لبنانی شہریوں کو شہید جبکہ 5 کو زخمی کردیا۔ انہوں نے بتایا کہ اسرائیلی فوج اب بھی لبنان کے جنوبی (باقی صفحہ 5 نمبر35)

ڈپٹی کمشنر استا محمد رزاق خان خجک کی زیر صدارت انسداد پولیو مہم کے حوالے سے اجلاس

13 اکتوبر سے شروع ہونے والی انسداد پولیو مہم کی تیاریوں، مانیٹرنگ اور فیلڈ میں درپیش چیلنجز پر تفصیلی غور

استا محمد (خ ن) ڈپٹی کمشنر استا محمد رزاق خان خجک کی زیر صدارت انسداد پولیو مہم کے حوالے سے اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر ڈاکٹر امیر علی، ڈبلیو ایچ او کے نمائندگان اور دیگر متعلقہ محکموں کے افسران نے شرکت کی۔ اجلاس کے دوران 13 اکتوبر سے شروع ہونے والی انسداد پولیو مہم کی تیاریوں، مانیٹرنگ اور فیلڈ میں درپیش چیلنجز پر تفصیلی غور (باقی صفحہ 5 نمبر42)

بلوچستان تمام قبائل کا خوبصورت گلدستہ ہے، حالات خراب کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، فریدہ بلوچ

نواز شریف کی قیادت میں بلوچستان کو ترقی اور احساس محرومی کے خاتمے کی طرف لے جائیں گے، نائب صدر مسلم لیگ خواتین ونگ

اوستہ محمد (یو این اے) پاکستان مسلم لیگ خواتین ونگ بلوچستان کی نومنتخب نائب صدر فریدہ بلوچ نے کہا ہے کہ بلوچستان تمام قبائل کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے، صوبے کے حالات خراب کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان کی عوام باشعور ہیں اور اپنے دوست و دشمن میں اچھی طرح تمیز رکھتے ہیں۔ امن کے قیام میں پاک فوج کی قربانیوں (باقی صفحہ 5 نمبر40)

امریکہ میں رن وے پر دو مسافر طیارے آپس میں ٹکرا گئے

مسافروں اور عملے کو فوری طور پر بسوں کے ذریعے واپس ٹرمینل پہنچا دیا گیا

نیو یارک (جی این ایم) امریکہ میں رن وے پر دو مسافر طیارے آپس میں ٹکرا گئے، یہ واقعہ نیو یارک کے لاگوارڈیا ایئرپورٹ پر پیش آیا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق ڈیلٹا ایئر لائنز کے دو ریجنل طیارے رن وے پر آپس میں ٹکرائے، رونوک، ورجینیا کے لیے روانہ ہونے والی انڈیور ایئر کی فلائٹ کا پر دوسری فلائٹ سے ٹکرا گیا جس نے شارلٹ نارتھ کیرولائنا سے پہنچ کر لینڈ کیا تھا، (باقی صفحہ 5 نمبر38)

پنجاب کے عوام کی تذلیل پر جواب دینا میرا کام ہے معافی نہیں مانگوں گی، مریم نواز

سفارش اور دھاندلی پر مکمل فل سٹاپ لگایا، ایک سیکنڈ میں بتا سکتی ہوں کون میرٹ پر اور کون سفارشی ہے

لاہور (جی این ایم) وزیر اعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف کا کہنا ہے کہ پنجاب کے عوام کی تذلیل کرنے والوں کو جواب دینا میرا کام ہے، اس پر کبھی معافی نہیں مانگوں گی، پنجاب کے تمام شہروں کو بند مٹھی کی طرح جوڑ کر رکھنا چاہتی ہوں، شمالی اور جنوبی پنجاب کی تفریق ڈالنے والے عوام کے دوست نہیں۔ تعلیمی بورڈز کے پوزیشن ہولڈرز کے اعزاز میں منعقدہ تقریب سے خطاب (باقی صفحہ 5 نمبر36)

شیرانی، غیر حاضر اساتذہ معطل، انکوائری آفیسر مقرر، سخت کارروائی کا آغاز

تعلیم کسی قوم کا سرمایہ ہے، غیر حاضری ناقابل برداشت ہے، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر تازہ خان ناصر

شیرانی (یو این اے) ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر شیرانی تازہ خان ناصر نے تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے اور اساتذہ کی حاضری یقینی بنانے کے لیے بڑا قدم اٹھایا ہے۔ متعدد اسکولوں میں غیر حاضر اساتذہ کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے کئی اساتذہ کو معطل کر دیا گیا ہے جبکہ ڈی او ای احمد خان قریشی اور ڈی ڈی او کریم خروٹی کو انکوائری آفیسر مقرر کیا گیا ہے تا کہ شفاف اور (باقی صفحہ 5 نمبر43)

اوستہ محمد شہر میں مہنگائی نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی

آٹا، ٹماٹر اور دیگر روزمرہ استعمال کی اشیائے ضروریہ کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں

اوستہ محمد (اے این این) اوستہ محمد شہر میں مہنگائی نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ آٹا، ٹماٹر اور دیگر روزمرہ استعمال کی اشیائے ضروریہ کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں، جو قریبی شہروں کے مقابلے میں بھی کہیں زیادہ ہیں۔ شدید مہنگائی کے باعث شہریوں کو مالی اور ذہنی مشکلات کا سامنا ہے تفصیلات کے مطابق پرائس کنٹرول کمیٹیاں مکمل طور پر غیر فعال ہو چکی (باقی صفحہ 5 نمبر41)

اسرائیلی فضائی حملوں میں غزہ میں 13 فلسطینی شہید

غزہ: بچوں سمیت مزید ہلاکتیں، عالمی اداروں نے قتلِ عام کو ناقابل قبول قرار دے دیا

غزہ (جی این ایم) اسرائیلی فضائی حملوں میں غزہ بھر میں کم از کم 13 افراد شہید ہوگئے۔ عالمی فلاحی تنظیم "ڈاکٹرز ود آؤٹ بارڈرز (MSF)" کا ایک رکن بھی شامل ہے۔ غزہ کی سول ڈیفنس ایجنسی کے ترجمان محمود بسال کے مطابق، 10 افراد مرکزی غزہ میں متعدد فضائی حملوں میں، 2 افراد جنوبی علاقے میں، جبکہ ایک بچہ غزہ سٹی میں جاں بحق ہوا۔ الاقصیٰ شہداء اسپتال دیر البلح میں (باقی صفحہ 5 نمبر39)

مانچسٹر میں یہودی عبادت گاہ کے باہر چاقو کے حملے میں 4 افراد زخمی، حملہ آور مارا گیا

واقعے کی مزید تحقیقات جاری ہیں، مانچسٹر کے میئر نے لوگوں کو جائے وقوعہ سے دور رہنے کی ہدایت کردی

مانچسٹر (جی این ایم) برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں یہودی عبادت گاہ کے باہر چاقو کے حملے میں 4 افراد زخمی ہوگئے حملہ آور مارا گیا۔ اطلاعات کے مطابق برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں یہودیوں کے مقدس دن یوم کپور کے موقع پر یہودی عبادت گاہ کے باہر ایک شخص نے چاقو کے وار اور لوگوں کو گاڑی سے کچلنے کی کوشش میں چار افراد کو زخمی کر دیا، مقامی پولیس کا کہنا ہے کہ مشتبہ حملہ آور (باقی صفحہ 5 نمبر37)

کوئٹہ، پارلیمانی سیکریٹری و چیئرمین کیوڈی اے اسفندیار کاکڑ محکمہ کیوڈی اے کی گورننگ باڈی کے اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

صوبے میں شہداء کی بدولت آج امن قائم ہے، آغا محمد یوسف

شہداء کے اہل خانہ کی دیکھ بھال اور فلاح و بہبود کے لیے مزید اقدامات کیے جائیں گے گزشتہ روز دھماکے میں شہید ہونے والے جوانوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

انسپکٹر جنرل پولیس/کمانڈنٹ بلوچستان کانسٹیبلری کی زیر صدارت سیکیورٹی کے حوالے سے ایک اہم اجلاس جوانوں کی قربانیوں کو خراجِ عقیدت

کوئٹہ (خ ن) بلوچستان کانسٹیبلری ہیڈ کوارٹرز میں اجلاس، جوانوں کی قربانیوں کو خراجِ عقیدت، سیکیورٹی و نظم و ضبط یقینی بنانے پر زور۔ بلوچستان کانسٹیبلری ہیڈ کوارٹرز کوئٹہ میں انسپکٹر جنرل پولیس/کمانڈنٹ بلوچستان کانسٹیبلری آغا محمد یوسف کی زیر صدارت سیکیورٹی کے حوالے سے ایک اہم اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں ایس پی ہیڈ کوارٹرز، زونل کمانڈرز بی سی زون I، II، III، IV، اسسٹنٹ ڈائریکٹر اسد اللہ ہیڈ کوارٹرز کے افسران اور جوانوں نے شرکت کی۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آئی جی پی/کمانڈنٹ بلوچستان کانسٹیبلری آغا محمد یوسف نے کہا کہ عوام اور وطن کے تحفظ کے لیے بلوچستان کانسٹیبلری اور دیگر سیکیورٹی فورسز کے غیور جوانوں کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان شہداء (باقی صفحہ 5 نمبر51)

ایران کی اسرائیل کی جانب سے غزہ جانے والے امدادی قافلے کو روکنے کی مذمت

گلوبل سمود فلوٹیلا کی کئی کشتیوں کو بحیرہ روم میں روک کر ان کے مسافروں کو ایک اسرائیلی بندرگاہ منتقل کر دیا ہے

تہران (یو این اے) ایران نے اسرائیل کی جانب سے غزہ کیلئے بین الاقوامی انسانی امداد لے جانے والے بحری قافلے کو روکنے اور اس میں شامل افراد کو حراست میں لینے کی (باقی صفحہ 5 نمبر53)

فلپائن، زلزلے کے بعد ہلاک افراد کی تعداد 72 ہوگئی، 294 افراد زخمی

منیلا (جی این ایم) فلپائن میں زلزلے سے ہونے والی اموات کی تعداد 72 ہوگئی جبکہ 294 افراد زخمی ہوئے ہیں۔ غیر ملکی میڈیا (باقی صفحہ 5 نمبر52)

محنتی اور باصلاحیت افسران اداروں کا اصل سرمایہ ہیں، سابق کونسلران

شہری ترقی کے منصوبوں میں حاجی اسحاق مینگل کی خدمات قابلِ تحسین، سابق کونسلران کا خراجِ عقیدت

کوئٹہ (یو این اے) سابق کونسلران نثار حسین شاہ، چوہدری عاطف، رجب کربلائی اور محمد مہدی نے میٹروپولیٹن کارپوریشن کے چیف آرکیٹیکٹ و چیف انجینئر حاجی اسحاق مینگل کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت، ایمانداری اور فنی مہارت کے ذریعے شہری ترقی کے منصوبوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ حاجی اسحاق مینگل نے جدید طرزِ تعمیر اور پائیدار ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے عوامی سہولت اور شہر کی خوبصورتی کو یکجا کیا، جو ایک منفرد مثال ہے۔ سابق کونسلران نے کہا کہ ایسے مخلص اور محنتی افسران اداروں کا اصل سرمایہ (باقی صفحہ 5 نمبر46)

قطر پر کیا جانے والا حملہ امریکا پر حملہ تصور ہوگا؛ صدر ٹرمپ کا نیا حکم نامہ جاری

صدر ٹرمپ کے ایگزیکیٹو آرڈر میں قطر کو سیکیورٹی ضمانتیں پیش کی ہیں، وائٹ ہاؤس

واشنگٹن (اے این ایس) عالمی خبر رساں ادارے کے مطابق اسرائیلی حملے کو ملکی خودمختاری اور قومی سلامتی کے منافی قرار دیتے ہوئے قطر نے غزہ امن مذاکرات میں ثالثی کا کردار ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس پر امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے وزیر خارجہ کو قطر اور پھر اسرائیل کے دورے پر بھیجا تھا جس کے بعد قطر نے ثالثی کے کردار نبھانے کے لیے حامی بھری تھی۔ بعد ازاں جب اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو امریکی دورے پر پہنچے تو صدر ٹرمپ نے ان کی قطری وزیر اعظم (باقی صفحہ 5 نمبر50)

پاکستان کا صمود فلوٹیلا کے کارکنوں کی فوری رہائی کا مطالبہ

اسرائیل کو بین الاقوامی قوانین کی بار بار خلاف ورزیوں پر احتساب کے کٹہرے میں لایا جائے، دفتر خارجہ

اسرائیل کا گلوبل صمود فلوٹیلا پر حملہ اور انسانی امداد کی راہ میں رکاوٹ انتہائی قابل مذمت ہے، ترجمان

اسلام آباد (جی این ایم) پاکستان نے اسرائیل کی جانب سے گلوبل صمود فلوٹیلا کو روکنے اور اس میں شریک انسانی حقوق کے کارکنان کی گرفتاری کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی ہے۔ دفتر خارجہ کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل کی یہ کارروائی بین الاقوامی قوانین، انسانی حقوق اور عالمی ضمیر کی کھلی خلاف ورزی ہے، جس کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں۔ ترجمان دفتر خارجہ کے مطابق گلوبل صمود فلوٹیلا میں 40 سے زائد سول جہاز اور 500 بین الاقوامی کارکنان شامل تھے، جو محصور غزہ کے مظلوم عوام کے لیے انسانی امداد لے کر جا رہے تھے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ فلوٹیلا پر سوار افراد کی گرفتاری، اور امداد کو زبردستی روکنا اسرائیل کی بطور قابض قوت اپنی قانونی و اخلاقی ذمہ داریوں سے کھلی روگردانی ہے۔ (باقی صفحہ 5 نمبر47)

امریکا کا میزائل حملوں کیلئے یوکرین کو انٹیلی جنس فراہم کرنے کا فیصلہ

واشنگٹن (جی این ایم) امریکا نے طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائل حملوں کے لئے یوکرین کو انٹیلی جنس فراہم کرنے کا فیصلہ (باقی صفحہ 5 نمبر49)

اوچ شریف میں زمینی راستے بحال نہ ہو سکے، جلالپور پیروالا ایم 5 بیسویں روز بھی بند

مویشیوں کا چارہ نہ ہونے کے باعث شدید مشکلات کا سامنا ہے

بہاولپور، ملتان (یو این اے) اوچ شریف کے سیلابی علاقوں میں متاثرین کی مشکلات کم نہ ہو سکیں، موٹر وے 5 بیسویں روز بھی بند ہے۔ زمینی راستے بحال نہ ہونے سے متاثرین (باقی صفحہ 5 نمبر48)

چیف ایڈیٹر و پبلشر سید فاروق شاہ نے روزنامہ عسکر انٹرنیشنل کوئٹہ کو انڈیپینڈنٹ پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر روزنامہ عسکر انٹرنیشنل آفس نمبر 315 یونیورسل کمپلیکس 3ed فلور سے شائع کیا۔ فون نمبر:۔ 0812837048 - 03318383955